قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کے 70 سال

ماہنامہ

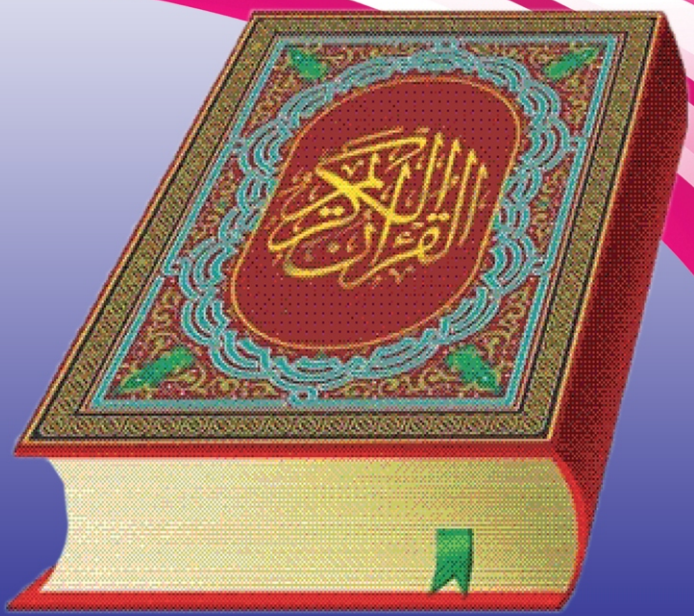
طلوعِ اسلام

لاہور

دسمبر 2013ء

www.toluislam.com

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ



''اگر ہم قرآن مقدس سے تحریک اور ہدایت حاصل کریں
تو میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ آخری فتح ہماری ہوگی''

(فرمودۂ قائداعظمؒ بحوالہ طلوعِ اسلام فروری 1959ء)

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL NO. 28
VOL.66
ISSUE
12

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546 , 042-35753666 , 042-35764484
E-mail:idara@toluislam.com
web:www.toluislam.com



''جب ہمارے پاس قرآن کریم ایسی مشعلِ ہدایت موجود ہے تو پھر ہم اس کی روشنی میں اختلافات کو کیوں نہیں مٹا سکتے ؟'' (پیغام عید۔13 نومبر 1945ء)

جلد 66 شمارہ نمبر 12 دسمبر 2013ء

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: فرمودات قائداعظمؒ	ادارہ	3
نظریۂ ارتقاء	راجہ عبدالعزیز	4
مذہبی پیشوائیت	ملک منظور حسین لیل	14
چرچ اور سٹیٹ کا باہمی تعلق	خواجہ ازہر عباس	21
اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	راجہ عبدالعزیز	29
ایسی جنت کو کیا کرے؟	عطاء الحق قاسمی	34
تُو آئے تو لگتا ہے اپنی بھی سحر ہوگی!		37
مردِ مومن کی خوبیاں	کاشف راز	45

ENGLISH SECTION

Surah Al-Muddaththir – Durus-al-Qur'an By G.A.Parwez

Parah 29: Chapter 19 Translated by: Dr. Mansoor Alam 50

دفتر کا پتہ B-25 گلبرگ 2، لاہور۔54660، پاکستان

فون: 042-35714546، 042-35764484

E-mail: idara@toluislam.com

انتظامیہ

ناشر وقائم مقام چیئرمین محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت

ڈاکٹر انعام الحق ۔ ڈاکٹر منظور الحق

خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی

محمد سلیم اختر

قانونی مشیر

ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

زرِتعاون

پاکستان میں 40 روپے فی پرچہ

سالانہ -/450 روپے

بیرون ملک 2500 روپے سالانہ

بینک اکاؤنٹ نمبر

3082-7 نیشنل بینک آف پاکستان، مین مارکیٹ گلبرگ

برانچ کوڈ (0465) ۔ لاہور

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

Naveed Graphic 5.5x8 1c

لمعات

فرمودات قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ

25 دسمبر مسلم اُمت کے عظیم قائد، بانیٔ پاکستان محمد علی جناح علیہ الرحمۃ کا یوم ولادت ہے۔ ماہنامہ طلوع اسلام دسمبر 2013ء کے ''لمعات'' قائداعظمؒ کے چند فرمودات سے مزین کئے جارہے ہیں۔ ان کے بیانات کی روشنی میں کوئی بھی آسانی سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ عظیم قائد کے نزدیک قیامِ پاکستان کا مقصد کیا تھا اور ان کے لئے اس کی کتنی اہمیت تھی:۔

''میں تو یہ سمجھ ہی نہیں سکا کہ لوگوں کو اس استفسار کی ضرورت کیوں پڑ رہی ہے کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا یا نہیں؟ اسلامی اصول تو ایسے ہیں جن کی نظیر دنیا میں کوئی پیش نہیں کرسکتا۔ یہ اصول آج بھی اسی طرح کارآمد ہیں جس طرح آج سے تیرہ سو سال پیشتر تھے''۔

(سندھ بار ایسوسی ایشن۔25 جنوری 1948ء) (بحوالہ طلوع اسلام۔ مارچ 1948ء)

''پاکستان سے یہ مطلب نہیں کہ ہم غیر ملکی حکومت سے آزادی چاہتے ہیں، اس سے حقیقی مراد مسلم آئیڈیالوجی ہے جس کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔ ہم نے صرف اپنی آزادی ہی حاصل نہیں کرنی، اس قابل بھی بننا ہے کہ ہم اس کی حفاظت کرسکیں اور اسلامی تصورات واصولات کے مطابق زندگی بسر کرسکیں''۔

(بحوالہ طلوع اسلام۔ جنوری 1966ء صفحہ 19)

''خدائے عظیم و برتر کی قسم جب تک ہمارے دشمن ہمیں اٹھا کر بحیرۂ عرب میں نہ پھینک دیں ہم ہار نہ مانیں گے۔ پاکستان کی حفاظت کے لیے میں تنہا لڑوں گا۔ اس وقت تک لڑوں گا جب تک میرے ہاتھوں میں سکت اور جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی موجود ہے، مجھے آپ سے کہنا ہے کہ اگر کوئی ایسا وقت آجائے کہ پاکستان کی حفاظت کے لیے جنگ لڑنی پڑے تو کسی صورت میں ہتھیار نہ ڈالیں۔ پہاڑوں، جنگلوں اور دریاؤں میں جنگ جاری رکھیں''۔

(بحوالہ طلوع اسلام۔ فروری 1966ء صفحہ 38)

☆.....☆.....☆

راجہ عبدالعزیز (دھیرکوٹ آزاد کشمیر)

چھٹی قسط

نظریۂ اِرتقاء

Special Creation v/s Evolution

ناقدینِ ارتقاء اپنے مؤقف کے حق میں قرآن پاک کی متعدد آیات کے الفاظ ''کن فیکون'' 2:117، 36:8، 19:35 کا حوالہ دے کر دعویٰ کرتے ہیں کہ کائنات فوری طور پر لفظ کن کہنے سے وجود میں آ گئی تھی۔ ان حضرات کا یہ تصور نہ صرف دیگر قرآنی آیات کے مخالف ہے بلکہ زمینی حقائق کے مطابق بھی نہیں۔ تغیر اور ترقی ہر روز ہمارے سامنے ہو رہی ہے۔ دنیا ہر لمحہ، ہر آن اور ہر روز ایک حالت سے دوسری حالت میں داخل ہو رہی ہے۔ تخلیق میں نیا نیا اضافہ ہو رہا ہے 35:1۔ اللہ تعالیٰ ایسی چیزیں پیدا کر رہا ہے جو اِنسان پہلے سے نہیں جانتا ہوتا۔ ڈاکٹر رفیع الدین کہتے ہیں کہ ''تخلیق کے عمل کا یہ تسلسل اس بات کے منافی نہیں کہ اس کا سبب ''کن'' ہو۔ اللہ ایک درخت یا ایک انسان یا ایک حیوان کو بھی قولِ کن سے پیدا کرتا ہے لیکن ہر چیز کی نشو ونما ہوتی ہے۔ کوئی چیز یکا یک وجود میں نہیں آتی۔ اگر کن کی تعمیل فوراً ہو جائے تو خدا کی صفتِ ربوبیت بلکہ اس کی صفتِ جمال وجلال میں سے کسی صفت کا ظہور ممکن نہیں رہتا''۔ اگر اس آیت سے فوری تخلیق کا نتیجہ اخذ کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب سے کائنات بنی ہے اس میں تغیر نہیں ہوا''۔ لفظ کن کا تعلق عالم امر سے ہے اور فاتعقیب کے ساتھ یکون کا آغاز عالمِ خلق سے ہوتا ہے۔ علامہ پرویز عالم امر کے مرحلے کو پلاننگ کی (تدبیری) اسٹیج قرار دے کر کہتے ہیں۔ ''خدا کے تخلیقی پروگرام میں یہ اسٹیج اس قدر لاینفک اور اہم ہے کہ اس کے بغیر کوئی شے وجود میں نہیں آ سکتی اور اگر یہ مرحلہ یقینی طور پر طے ہو جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ شے وجود میں آ گئی ہے۔ اس حقیقت کے اظہار کے لئے قرآن کریم کے مختلف مقامات پر اس قسم کی آیات آئی ہیں ''جب وہ ایک امر تدبیر کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اس امر سے کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے''۔ خدا کا یہ امر کیا ہوتا ہے اور کس طرح عمل پیرا ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ہم کچھ نہیں جان سکتے۔ ہمارا علم، عالم خلق تک محدود ہے''۔ ڈاکٹر محمد آصف کن فیکون کا تعلق فجائی ارتقاء کے قانون سے جوڑتے ہیں۔ یہاں بھی ہر تخلیق آناً فاناً نہیں ہوتی بلکہ ایک قانون کے تحت ہی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین کے مطابق ''امر کے معنی ہیں حکم اور اس سے مراد ہے خدا کا کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کر کے اسے حکم دینا کہ وہ پیدا ہو جائے۔ مگر کن فیکون کا یہ مطلب نہیں کہ چیز فوراً وجود میں آ جاتی ہے۔ لیکن قرآن کی آیات اور قدرت کے مشاہدات سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا وجود میں آنا بتدریج ہوتا ہے۔ گویا ارادہ اور امر کے بعد ایک تدبیر امر کا عمل ہوتا ہے۔ جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ چیز کی ربوبیت کرتا ہے اور اسے تمام ارتقائی مدارج سے گذار کر اس کے کمال تک پہنچاتا ہے۔ اس تدبیر امر کے دو

حصے ہوتے ہیں ایک ھبوط اور دوسرے صعود.....ھبوط ابتدائے تخلیق ہے''۔ دراصل کن کے مراحل طے ہونے کے بعد ظہور میں آنے والی شئے کی تخلیق عالم خلق میں اس کی پست حالت سے شروع کی جاتی ہے۔ اور ارتقاء سے صعود کرتی ہے۔

اس حقیقت کو سب فلاسفہ اور سائنسدان تسلیم کرتے ہیں کہ ارتقائی مدارج میں انسان باقی تمام انواع حیات سے ارفع مقام پر ہے۔ البتہ ان سوالات پر ان کی مختلف آراء ہیں کہ کیا انسان کے وجود کے ظہور کے بعد عمل ارتقاء ختم ہوگیا ہے؟ کیا سفرِ ارتقاء کی آخری منزل انسان کی موجودہ ہستی اور شعوری ساخت ہی ہے؟ اور اگر ارتقاء جاری ہے تو کیا موجودہ نوع انسانی ہی اگلے ارتقائی مراحل پر پہنچے گی یا اس سے بھی اعلیٰ اور برتر نوعِ حیات کا ظہور ہوگا؟۔ اپنے خطبات کی تیاری کے زمانے میں علامہ اقبالؒ کے ذہن میں یہ سوالات موجود تھے۔ چنانچہ انہوں نے ساتویں خطبے میں خصوصاً ان سوالات پر بحث کی ہے۔ مستقبل میں انسانی ارتقاء کے مغربی منفیانہ تصور سے علامہؒ سخت مایوس ہیں۔ وہ فرماتے ہیں ''عہد حاضر کے تنقیدی فلسفوں اور علوم طبعیہ میں اختصاص نے انسان کی جو حالت کر رکھی ہے وہ بڑی ناگفتہ بہ ہے۔ اس کے فلسفہ فطرت نے تو بے شک اسے یہ صلاحیت بخشی ہے کہ قوائے فطرت کی تسخیر کر لے۔ مگر مستقبل میں اس کے ایمان اور اعتماد کی دولت چھین کر۔ پھر یہ عجیب بات ہے کہ تصور تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن اس سے مختلف تہذیبیں مختلف اثرات قبول کرتی ہیں۔ دنیائے اسلام میں نظریہ ارتقاء کی تشکیل ہوئی تو اس سے حیاتیات ہی کے نقطہ نظر سے انسان کے مستقبل کے لئے مولانا روم کے اندر وہ ذوق وشوق پیدا ہوا کہ آج بھی ایک پڑھا لکھا مسلمان جب ان کے اشعار کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے دل میں مسرت وابتہاج کی لہر دوڑ جاتی ہے''۔ آگے چل کر علامہؒ نے مولانا رومی کے اشعار لکھے ہیں جن میں مولانا نے انسانی زندگی کے مختلف ارتقائی مراحل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انسان پہلے جمادات کے درجے میں نمودار ہوا۔ اس کے بعد نباتات کے روپ میں ڈھل گیا۔ پھر حیوانی پیکر میں ڈھلا اور یوں وہ ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتا رہا حتیٰ کہ وہ عاقل، دانا اور توانا ہوگیا جیسا کہ اب وہ ہے۔ اسی طرح وہ موجودہ حالت سے بھی کسی دوسری حالت میں بدل جائے گا۔ مولانا جیسے عظیم وجودی صوفی سے زندگی کی ایسی ارتقائی تشریح اکثر لوگوں کے لئے تعجب وحیرانی کا باعث ہوگی اور ہونی بھی چاہئے۔ کیونکہ مولانا نے ابن عربی کی ہمنوائی میں بڑی شدومد سے نظریۂ وحدت الوجود کو پیش کیا جس میں کائنات کی کوئی شئے اپنا وجود ہی نہیں رکھتی۔ ہر شئے خدا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ہر شئے خدا ہے تو پھر یہ مادہ یہ توانائی، مختلف اشیاء، مختلف مخلوقات حتیٰ کہ مختلف عقائد میں کسی تفریق وتمیز کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ علامہ اقبالؒ بہرحال رومی کو اپنا ''مرشد'' مانتے ہیں۔ اس کی کم ازکم ایک وجہ تو یہ بھی ہوسکتی ہے کہ رومی موجودہ انسان کے مزید ارتقاء کے قائل ہیں۔ ورنہ مادیت پسندوں کے نزدیک انسانی زندگی، موت کے بعد ہمیشہ کے لئے فنا ہوجاتی ہے۔ لہٰذا ارتقاء کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہی وہ اہم اور بنیادی وجہ ہے کہ علامہؒ مغرب کے اس تصور سے نالاں ہیں۔ دنیائے اسلام کے مقابلے میں وہ مستقبل میں ارتقائے انسانی کے متعلق اہل مغرب کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔ ''برعکس اس کے یوروپ میں اس نظریے کی تشکیل گو زیادہ تحقیق وتدقیق

سے کی گئی، وہاں اس کی انتہا اس عقیدے پر ہوئی کہ جہاں تک علوم طبیعیہ کا تعلق ہے اس امر کی کوئی ضمانت نہیں کہ انسان کو جو گوناگوں صلاحیتیں حاصل ہیں آئندہ بھی ان کا کوئی خاص ارتقاء جاری رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر کے انسان میں یاس و ناامیدی کی جو کیفیت پیدا ہو چکی ہے وہ اس کو علمی اصطلاحات میں چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ حتیٰ کہ نطشے بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ حالانکہ نطشے کا خیال تھا کہ نظریۂ ارتقاء کی رو سے یہ ماننا لازم نہیں آتا کہ انسان اپنے ارتقاء کی جس منزل میں ہے اس سے آگے ترقی کی کوئی منزل نہیں۔ لیکن نطشے کے دل میں انسان کے مستقبل کے لئے جوش اور ولولے کی جو کیفیت پیدا ہوئی اس کا اظہار عقیدۂ رجعت ابدی' میں ہوا اور عقیدۂ رجعت ابدی' سے بڑھ کر بقائے دوام کا یاس انگیز تصور آج تک قائم ہی نہیں کیا گیا۔ نطشے کے دوامی تکرار سے دوامی تکوین کا اثبات نہیں ہوتا۔ برعکس اس کے یہ کون ہی کا قدیم تصور ہے جو تکوین کا روپ دھا کر ہمارے سامنے آجاتا ہے''۔

ارتقا حاصل کرنا حیات کی ضرورت ہے۔ اس سے انسان اپنی ہستی اور جدوجہد پر اعتبار اور اعتماد کرتے ہوئے مستقبل کے خطرات کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ لہٰذا وحی خداوندی پر ایمان رکھنے والے لوگوں کا ارتقا پر یقین ہوتا ہے جس کا سلسلہ انسانی جسم کی موت کے بعد بھی جاری رہے گا۔ قرآن پاک میں انسانی ارتقا کی اگلی منازل کی طرف واضح اشارات ملتے ہیں۔ مثلاً 16-15:23' 2:28' 15:52' 10:45' 6:24' 2:210' 11:123' 30:19' 2:245' 72-39:68' 6:94۔ قرآن پاک کی رُو سے دنیا میں وہی چیز باقی رہتی ہے جو لوگوں کے لئے مفید ہو 13:17۔ اس لحاظ سے عمل اِرتقاء میں بقائے انفع (Survival of the most useful) کا اصول کارفرما ہے۔ اس اصول کی روشنی میں حیات اور کائنات خوب سے خوب تر کے سفر پر رواں دواں ہے اور جو وجود اس سفر میں کاروانِ حیات و بقا کا ساتھ نہیں دیتے وہ معدوم ہو جاتے ہیں۔ قرآن پاک کی تعلیمات کی روشنی میں بہت سے مسلم مفکرین نے مسئلہ ارتقاء کو اپنی فکر کا موضوع بنایا ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ مستقبل میں انسانی ارتقاء پر بحث کے دوران ڈاکٹر محمد آصف یوں رقمطراز ہیں۔ ''اسلام قانونِ ارتقاء کو ایک ایسی کائناتی حقیقت کے طور پر پیش کرتا ہے جس میں کہیں ٹھہراؤ نہیں ہے۔ قانون اِرتقاء ہر لحظہ حیات کی نئی اور تازہ صورتیں پیدا کر رہا ہے۔ انسان کی موجودہ ہیئت اور شعوری سطح بھی اس سے مبرا نہیں بلکہ اسے بھی ایک نئی ماہیت (Form) اختیار کرنے اور نئے شعوری نظام میں ڈھلنے کے لئے ارتقا کے عمل سے گذرتے ہوئے ایک ایسے ماحول میں داخل ہونا ہوگا جس میں داخل ہونے کے لئے مادی دنیا ہی نہیں بلکہ اپنے مادی جسم کو بھی چھوڑنا پڑے گا۔ تب حیات کی ایک نئی ارتقائی منزل اس کا استقبال کرے گی''۔ خلیفہ نصیر الدین نے اپنی تصنیف میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"And further, if man has been evolving, attaining more and more perfection, why should we not believe that the present form of human life, both in its

physical and mental characteristics, will disappear only to assume still---higher forms." (The Holy Quran and the World today).

انسانی سطح پر انسان کی موجودہ زندگی میں اس کا ذہنی ارتقا ہو یا اگلی زندگی میں ارتقائی مرحلہ دونوں کا انحصار اس کی ذاتی محنت' جدوجہد اور سعی وعمل پر ہے۔ یہ اس کا استحقاق نہیں۔ لہٰذا یہاں ارتقا کا قانون اجتماعیت سے انفرادیت میں ڈھل جاتا ہے۔

پروفیسر برونومسکی نے ''عروجِ آدم'' میں انسانی ارتقا کی تاریخ کو دلکش' دلآویز اور رومانوی داستان بنا کر پیش کیا ہے۔ انہوں نے انسانی جسم کی بجائے اس کی ذہنی صلاحیتوں کی اہمیت کو اُجاگر کیا ہے۔ کیونکہ انہیں ''انسانی ذہن اور اس کی مختلف صلاحیتوں سے دلچسپی ہے''۔ B.B.C نے انسانی ارتقا کی تاریخی وضاحت کے لئے صحیح معنوں میں ایک اہل شخص کا انتخاب کیا ہے۔ عام طور پر مشاہدے میں آنے والی اشیاء جن کی بظاہر کوئی اہمیت نہیں ہوتی کہ' وہ انسانی جذبات' رجحانات' فن اور اس کی دیگر خداداد صلاحیتوں سے ایسی دانائی اور خوبصورتی سے منسلک کر دیتے ہیں کہ وہی عام اشیاء غیر معمولی اہمیت کی حامل بن جاتی ہیں۔ مثلاً ہمارا یہ عام مشاہدہ ہے کہ کھلاڑی دوڑتا بھی ہے اور چھلانگیں بھی لگاتا ہے۔ لیکن برونومسکی کے مطابق ایسا کرتے ہوئے وہ اور بھی بہت کچھ کرتا ہے۔ سنئے! ''ظاہر ہے کہ دوسرے جانوروں اور انسان میں بہت سے جسمانی فرق ہیں حتیٰ کہ انسان اور بن مانس میں بھی۔ Pole Vault کرتے ہوئے کھلاڑی پول کو ایک مخصوص انداز سے پکڑتا ہے۔ کوئی بن مانس ایسا نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ فرق تو معمولی فرق ہے۔ خاص فرق یہ ہے کہ کھلاڑی ایک بالغ ہے اور اس کا یہ عمل باہر کے حالات کا فوری ردِعمل نہیں جیسا کہ عام طور پر جانوروں کا ہوتا ہے۔ کھلاڑی کا ذہن آگے مرکوز ہوتا ہے۔ اپنی صلاحیتوں کو مجتمع کرتے ہوئے مستقبل میں چھلانگ لگانا۔ چھلانگ کے لئے تیار کھلاڑی انسانی صلاحیتوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اس پیچیدہ عمل میں سب سے اہم بات کھلاڑی کی پیش بینی ہے۔ یعنی مستقبل میں مقصد متعین کرنے اور اس پر توجہ دینے کی صلاحیت''۔ ہرن اور انسان کی دوڑ کا موازنہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہرن کا یہ جسمانی عمل ایک خوف زدہ جانور کا عمل ہے۔ لیکن کھلاڑی ڈر کر نہیں بھاگ رہا۔ وہ خوف نہیں بلکہ ایک کیف محسوس کر رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح گھوڑے کی کہانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''تقریباً پانچ ہزار سال پہلے ایک نیا زراعتی مویشی نمودار ہوا۔ گھوڑا۔ اور یہ جانور ہر اعتبار سے تیز رفتار' طاقتور اور پہلے والے جانور کے مقابلے میں ہاوی تھا۔ اس کی شان ہی کچھ اور تھی یہ بادشاہوں کی رتھ میں جوتا جاتا تھا۔ دو ہزار سال ق م انسان نے دریافت کر لیا کہ اس پر سواری کیسے کی جاتی ہے۔ گھڑ سوار ایک انسان سے زیادہ نظر آتا ہے۔ مغرب میں اسے 'Scythean' کہا جاتا تھا۔ قدرت کی ایک ڈراونی مخلوق۔ ہم آج اس دہشت گردی کا اندازہ نہیں لگا سکتے جو گھڑ سواروں نے یوروپ اور مشرق وسطیٰ پر طاری کی تھی۔ میں اس کا موازنہ صرف 1939ء میں پولینڈ میں نمودار ہونے والے ٹینک سے کر سکتا ہوں۔ ان ٹینکوں نے اپنے سامنے آنے والی ہر رکاوٹ کو تباہ کر دیا تھا''۔ پوری کتاب میں ایسے دلچسپ واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

ارتقا کی کہانی کو انہوں نے ''دنیا در دنیا'' کا عنوان دیا ہے۔ اس میں وہ ایٹم سے پہلے بلور (Crystals) کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''اس کی سات بنیادی شکلیں ہیں اور بہت سے رنگ۔ اس کی مختلف قسموں میں سب سے سادہ عام بے رنگ نمک ہے۔ نمک عنصر نہیں بلکہ دو عناصر سوڈیم اور کلورین کا مرکب ہے۔ یہ کافی عجیب بات ہے کہ سوڈیم جیسی سوں سوں کرنے والی سفید دھات اور کلورین جیسی زہریلی گیس ایک پائیدار ڈھانچہ بناتی ہیں۔ جسے ہم نمک کہتے ہیں''۔ انہوں نے بے جان مادے اور جاندار مادے کے ارتقاء کو مختصر لیکن جامع انداز میں بیان کیا ہے۔ جس کا زیادہ تر احوال مختلف مقامات پر پہلے پیش کیا جا چکا ہے۔ یہاں صرف ایک بات کا ذکر ہوگا۔ انٹراپی (Entropy) کے ذکر میں وہ اتفاقات یا امکانات کے بارے میں کہتے ہیں۔ ''یہ ایک خوبصورت تصور ہے۔ لیکن یہاں ایک سوال پوچھا جا سکتا ہے' اگر یہ سچ ہے کہ امکان' ہمیں لے آیا ہے۔ تو کیا یہ امکان اتنا کمزور نہیں ہے کہ ہمیں یہاں ہونے کا کوئی حق نہ ہو۔ جو لوگ یہ سوال پوچھتے ہیں' وہ اس بات کو اس طرح کہتے ہیں کہ ذرا اِن تمام ایٹموں کے بارے میں سوچئے جن سے اس لمحہ میرا جسم بنا ہوا ہے۔ یہ بات کتنی دور از امکان ہے کہ وہ سب اس لمحے اس مقام پر موجود ہوں اور میری تخلیق کریں۔ اگر ایسا اسی طرح ہوا ہے تو نہ یہ صرف دور از امکان ہے بلکہ حقیقتاً ناممکن ہے۔ آگے چل کر وہ بتدریج ارتقا کا قدرتی طریقہ کار بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''اور یقیناً قدرت اس طرح عمل نہیں کرتی۔ قدرت قدم بہ قدم عمل کرتی ہے۔ ایٹم Molicules بناتے ہیں۔ مالیکیولز کا کام Basses بنانا ہے۔ بیسز Amino Acdis بناتے ہیں۔ اور وہ پروٹین بناتے ہیں۔ اور پھر پیچیدہ حیات۔ ایک ایک قدم ارتقاء ایک سیڑھیاں چڑھنے کا نام ہے۔ سادہ سے پیچیدہ کی طرف اور ان میں سے ہر قدم اپنی جگہ مستحکم۔ کیونکہ یہ میرا موضوع ہے اس لئے میں نے اسے ایک نام دیا ہے۔ میں اسے درجہ بدرجہ استحکام کہتا ہوں اور اسی عمل نے نہ صرف یہاں حیات پیدا کی ہے بلکہ حیات مستقل زیادہ پیچیدگی کی سیڑھیاں چڑھ رہی ہے جو ارتقاء کا مرکزی نقطہ ہے''۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ موجودہ اکثر سائنسدان اور فلسفی انسانی ظہور سے پہلے کی دوٹانگی مخلوق کو جانور یا انسان نما حیوان قرار دیتے ہیں۔ مثلاً پروفیسر برونو مسکی لکھتے ہیں۔ ''دو کروڑ سال پہلے اب جنہیں (Anthropoid) انسان نما بن مانس کہا جا سکتا ہے مشرقی افریقہ' یوروپ اور ایشیا میں موجود تھے''۔ یا وہ کہتے ہیں۔ ''لیکن جب دوٹانگوں پر کھڑا ہونے والا جانور چین اور شمالی یوروپ پہنچا تو وہاں تین برفانی دور شروع ہو رہے تھے''۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان سے پہلے کی تمام مخلوقات کو موجودہ نوع انسانی کے زمرے میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن پاک نے بھی' جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے انسان کو' **خَلْقًا اٰخَرَ** قرار دیا ہے 23:14 لیکن سخت تعجب اور حیرت بلکہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ جناب ہارون یحییٰ جیسا قرآن مجید پر ایمان رکھنے والا انسان محض نظریہ ارتقا کی مخالفت میں آ کر اپنے عقائد کو پس پشت ڈالتے ہوئے قرآن پاک کی بیان کردہ اس صاف اور واضح حقیقت سے گریز کی راہیں تلاش کر رہا ہے۔ کیونکہ ان غیر مسلم سائنسدانوں کے برعکس وہ پچھلی دوٹانگی مخلوق کو موجودہ نوع انسانی کا تسلسل قرار دے رہا ہے۔ اپنے اس مؤقف

کے حق میں وہ ان لوگوں کے دلائل کو بغیر کوئی مضبوط دلیل دیئے' مسترد کرتا ہے۔ مثلاً ایک امریکی ماہر بشریات ہولی سمتھ کے بارے میں لکھتا ہے کہ ''اس نے 1994ء میں دلیل دی کہ قدیم انسان ہومو (Homo) نہیں تھا۔ دوسرے لفظوں میں وہ Human نہیں تھا بلکہ ''بوزنہ'' تھا۔۔۔ ایک ہی سال کے دوران فریڈ سپور' برنارڈ ووڈ اور Franz Zonneveld نے اور پروفیسر ایلین واکر نے بھی N.M.E.R 1470 پر اسی قدر تحقیق کی تھی جس قدر 'لیکے' نے کی تھی۔ وہ اس کا دفاع کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس جاندار کو ''ہومو'' کے گروہ میں شامل نہ کیا جائے''۔ جناب یحییٰ ایسی تمام تحقیقات اور تجربات کو صرف یہ کہہ کر مسترد کر رہے ہیں۔ ''اختصار کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ دونوں انواع جو آسٹرالوپیتھی سنز اور دور وسطیٰ کے انسان کے درمیانی یا عبوری رابطہ کے طور پر پیش کی جاتی ہیں مکمل طور پر تخیل کی پیداوار ہیں''۔ ان کے مطابق موجودہ انسان اور اس مخلوق میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ''تشریح الاعضاء کی بنیاد پر طے پانے والے ان کے خدوخال یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان میں ہر ایک انسانی فوسلز ہیں''۔ سائنسدانوں نے اس مخلوق کو اس لئے بھی انسان تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے کہ اس کی کھوپڑی کا حجم 1100-900 C.C تھا جو ایک اوسط درجے کے جدید انسان کی کھوپڑی' جس کا حجم 1300 C.C بتایا جاتا ہے' سے چھوٹی ہے۔ مگر جناب یحییٰ غالباً انسان اور حیوان میں ذہنی لحاظ سے بھی کسی فرق کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ حیوانی ذہن کو ایک لحاظ سے انسانی ذہن پر فوقیت دیتے ہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ ''کھوپڑی کے حجم میں فرق کا یہ مطلب نہیں کہ ذہانت اور ذہنی صلاحیتوں میں بھی فرق ہوگا۔ ذہانت کا تعلق دماغ کے اندرونی حصے پر ہے۔ کھوپڑی کے چھوٹے بڑے ہونے پر نہیں''۔

پروفیسر برونوسکی نے' جیسا کہ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں' کہا تھا کہ آرٹ اور سائنس کسی جانور سے آگے کی بات ہے۔ لیکن جناب یحییٰ کا کہنا ہے کہ ''اپنی زندگی کو بچانے کے لئے جانوروں کی ایک اہم خصوصیت خود کو چھپا لینے کا فن ہے جسے ہم کیموفلاج کہتے ہیں۔۔۔ اس میں جانور بہت زیادہ ذہانت استعمال کرتے ہیں''۔ حالانکہ انسان اور حیوان دونوں میں تحفظ زندگی کا جذبہ جبلی طور پر پایا جاتا ہے۔ اور جبلت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ یہ خود اختیار اور میکانکی ہوتی ہے ارادی نہیں ہوتی۔ ہر جبلت کا کوئی نہ کوئی مقصد تو ضرور ہوتا ہے لیکن وہ شعوری ذہن میں نہیں ہوتا۔ یعنی یہ شعور میں نہیں بلکہ لاشعور میں ہوتی ہے۔ جبلی کردار غیر اکتسابی' اضطراری اور آموزش یا تربیت سے لاتعلق فعل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر انعام الحق اس ضمن میں کہتے ہیں کہ ''یہ جانوروں کے اندر ایسی قوت ہے جو بغیر کسی ارادے کے کام کرتی ہے''۔ ''جبلت ایسے اندرونی میلانات یا رجحانات ہیں جو میکانکی افعال کی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں''۔ لہٰذا جناب یحییٰ کا یہ کہنا حقیقت کے بالکل خلاف ہے کہ آرٹ یا ذہانت کا استعمال جانور بھی کر سکتے ہیں۔ یہ صفات واقعی حیوان کی پہنچ سے باہر ہیں۔ جہاں تک ذہانت اور ذہنی صلاحیتوں کا تعلق ہے تو شاید کھوپڑی کے چھوٹا بڑا ہونے سے زیادہ فرق نہ پڑتا ہو لیکن ہر نوع کی ذہنی صلاحیتوں کی ایک حد ہوتی ہے اس سے آگے جانا ان کے لئے ممکن ہی نہیں۔ انسانی صلاحیتوں کا ارتقا ابھی جاری ہے لیکن ان کی بھی بہرحال ایک حد ہے۔ جانوروں کے بارے میں تو ابھی تک حتمی طور پر طے ہی نہیں ہوا کہ ان میں ذہانت یا ذہنی صلاحیتیں موجود ہیں

بھی کہ نہیں اور اگر ہیں تو ان کی کتنی حد ہے۔ میرے خیال میں جانوروں کا ہر عمل کسی نہ کسی جبلی تقاضے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جانوروں کو سدھانے کے عمل میں بھی انسانی صلاحیتوں کا حصہ ہوتا ہے۔ اس عمل میں جانوروں کے افعال جبلت کی قدرتی فعلیت کی ایک خاص تحریک (Stimulus) کے تحت سرزد ہوتے ہیں۔ ''جانوروں میں احتیاجات (Wants) اور اشتہا (Appetite) دونوں ہوتے ہیں اور رجحان کا شعور بھی کسی قدر ہوتا ہے لیکن غایت (Purpose) کا علم نہیں ہوتا''۔ (ڈاکٹر انعام الحق) ایسے ہی واضح حقائق کے پیش نظر برگسان حتمی نتیجے پر پہنچا تھا کہ ''انسان اور حیوان میں باہمی فرق نہ تو درجات کا ہے اور نہ ہی شدت کا ان میں نوعی فرق ہے۔ (نظریہ خیر)

انسان اور حیوان کے درمیان تقابلی جائزہ لیتے ہوئے جناب یحییٰ ان کے اجسام کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ جبکہ ان کے درمیان حقیقی فرق یعنی انسانی ذات یا نفس کی موجودگی کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آج کے انسان اور اس سے پہلے دوٹانگی مخلوق کے مابین کوئی فرق و تمیز روا نہیں رکھتے۔ جو سائنسداں یا دانشور انسان سے پہلے والی دوٹانگی مخلوق کو انسان تسلیم نہیں کرتے اور اس کو 'انسان نما حیوان' کہتے ہیں' جناب یحییٰ ان کے اس تصور کو مصنوعی اور خیالی قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''ارتقا پسندوں کے تخیلاتی خاکے کی رُو سے ''ہومو'' (Homo) نوع کے جانداروں کا اندرونی ارتقاء مندرجہ ذیل ہے۔ سب سے اول دورِ وسطیٰ کا انسان' پھر جدید انسان' قدیم اور نینڈرتھل انسان ازاں بعد کرومیگن انسان اور سب سے آخر میں آج کا انسان۔ تاہم یہ تمام درجہ بندی درحقیقت صرف اصلی انسانی نسلوں کی ہے۔ ان کے درمیان پایا جانے والا فرق اس سے بڑا نہیں جو ایک شمالی امریکہ کے اسکیمو اور سیاہ فام انسان یا ایک افریقی بونے اور ایک یورپی کے درمیان پایا جاتا ہے''۔ ہارون یحییٰ کی ''جدید انسان'' اور آج کے انسان میں تفریق وضاحت طلب ہے۔ وحی پر ایمان نہ رکھنے والے کچھ حضرات بھی یحییٰ صاحب کی طرح یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ انسان سے پہلے دوٹانگوں پر چلنے والی مخلوق اور آج کے انسان کے درمیان کوئی بنیادی فرق نہیں بلکہ وہی مخلوق موجودہ انسان کے آباؤ اجداد میں سے ہے۔ لیکن دیگر بہت سے حضرات اس نظریے کے برعکس کہتے ہیں کہ اس مخلوق کی تمام انواع کا تعلق ''انسان نما حیوانوں'' سے تھا۔ وہ انسان نہیں تھے۔ اس موقف پر پہلے بھی بات ہو چکی ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ ایٹمی انجینئر سلطان بشیر نے اپنی سائنسی تفسیر میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کے دوران اس موقف کو مسترد کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''سائنسی تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ (موجودہ نوع انسانی۔ عزیز) زمین پر زیادہ سے زیادہ تقریباً تیس چالیس ہزار سال پہلے نمودار ہوئے تھے۔ ان کے نزول سے پہلے دوٹانگوں پر چلنے والے مختلف قسم کے حیوانات لاکھوں سالوں سے چلے آ رہے تھے لیکن ظہور آدم کے ساتھ ہی وہ سب ختم ہو گئے۔ سائنس کے مطابق آدم سے پہلے کے 'انسان نما حیوان' بہت خون بہانے والے اور مار دھاڑ کرنے والے تھے''۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ ''نفس یا روح کے ملنے کے بعد انسان کو تمام چیزوں کا خصوصی علم عطا ہو گیا۔ جس کی بنا پر وہ مسجود ملائکہ ہو گیا۔ یوں قرآنِ حکیم کا انسان جدید سائنس کا مدعاء نظر ہے وہ ہر لحاظ سے ایک علیحدہ اور بے مثل مخلوق ہے اور سائنس کے ارتقائی حیوان سے اس کا کوئی تعلق نہیں''۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ''جیسے

پہلے کہا جاچکا ہے بڑی تبدیلیاں، ہمیشہ اچانک امر ہی سے معرض وجود میں آتی ہیں، جنہیں (Quantum Jump) کا نام دیا گیا ہے۔۔۔انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی تمام انسان نما حیوان کسی ناقابل سمجھ قدرتی عمل کی وجہ سے صفحۂ ہستی سے ناپید ہوگئے''۔

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق کے بارے میں، میں اپنے اکثر مضامین میں اظہار خیال کرتا رہتا ہوں۔ مثلاً ''بگ بینگ۔ سنگولیرٹی'' کے مضمون میں لکھا تھا۔ ''لیکن قرآنِ کریم کے مطابق انسان (دیگر حیوانات کی طرح) صرف طبیعی جسم سے ہی عبارت نہیں بلکہ جسم کے علاوہ اسے ذات، نفس، خودی یا روح (Divine Energy) جیسی نعمت سے بھی نوازا گیا ہے۔ اس الوہی توانائی کے حصول کے بعد انسان نہ صرف حیوانات سے منفرد اور نمایاں حیثیت اختیار کر گیا ہے بلکہ گزشتہ میکانکی ارتقا سے بالکل ایک نئی مخلوق (خَلْقًا اٰخَرَ 23:14) کی شکل میں سامنے آیا ہے''۔ قرآن پاک میں انسان سے پہلے جو دوٹانگی انواع تھیں انہیں الجان کہا گیا ہے 15:27۔ یہ مخلوق انسان سے پہلے تھی اور اس کے ظہور سے پہلے ہی معدوم (Extinct) ہوچکی تھی۔ دیگر قرآنی تعلیمات کے پیش نظر بھی اس دوٹانگی مخلوق کو انسانی درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ مثلاً بنی آدم سے پہلے کسی مخلوق کی طرف ہدایت بذریعہ انبیاءؑ نہیں آئی۔ یہ ہدایت اور انبیاءؑ صرف نوع انسانی کی طرف آئے 10:108، 18:29، 6:130، 16:36، 9:33، 4:174، 14:1۔ نبی آخر الزمان ﷺ نوع انسانی کی طرف آئے 7:158، 34:28۔ کتابیں بھی انسانوں کی طرف 39:41، 45:20، 6:92۔ قرآن پاک کے مطابق نفس یا روح جیسی لازوال اور غیر فانی متاع صرف بنی آدم کو عطا کی گئی ہے۔ اسی نعمت کے سبب انسان جسمانی لحاظ سے فانی ہونے کے باوجود دیگر حیوانات کی طرح ہمیشہ کے لئے معدوم نہیں ہوگا۔ جسمانی موت کے بعد اسے اگلے ارتقائی مرحلے میں دوبارہ زندہ کیا جائے گا 23:14، 15:52، 6:94، 16:95۔ اسی ''ذات'' کے طفیل انسان کو اختیار وارادہ جیسی نعمت سے نوازا گیا ہے جو یکسر منفرد ہے 10:108، 25:51، 73:19، 76:3، 73:19، 16:106، 78:39۔ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو قابل احترام ٹھہرایا 17:70۔ صرف انسان، بشر یا آدم مسجود ملائکہ ہے 7:11، 25:29، 2:34۔ آدم سے پہلے والی مخلوق کو یہ اعزاز حاصل نہیں تھا بلکہ فرشتوں نے تو اس مخلوق کی مار دھاڑ، خون ریزی اور فساد انگیزی سے نفرت کا اظہار کیا تھا 2:30۔ تمام انبیاؑ انسان یا بشر تھے 10:2، 25:20، 13:38، 41:6۔ اور انسانوں میں سے بھی صرف مرد 16:43، 12:109، 21:7۔ اس کرہ اِرض میں انسانی زندگی اگر طبیعی زندگی تک محدود ہوتی تو اسے علم وحی کی ضرورت ہی نہ پڑتی کیونکہ انسانی زندگی کے طبیعی تقاضات اور ضروریات کی تسکین اور دیگر اسباب کی فراہمی کے لئے اسے اللہ نے حصولِ علم کی صلاحیت بخشی ہوئی ہے۔ لیکن قرآن کریم کی رو سے انسانی زندگی، حیوانی زندگی کی طرح صرف طبیعی زندگی نہیں بلکہ اسے انسانی ذات یا نفس کی دولت سے نوازا گیا ہے۔ انسانی نفس نہ ہی انسانی جسم کی طرح طبیعی نظامِ تخلیق کا پیدا کردہ ہے اور نہ ہی طبیعی قوانین کے تابع ہے۔ انسانی جسم فانی ہے اور ذات یا روح غیر فانی۔ انسانی ذات، نفس یا روح ایک الوہیاتی توانائی (Divine Energy) ہے جس کا عملی مظاہرہ انسان کے اختیار وارادہ کی شکل میں ہوتا ہے۔ یہ توانائی انسانی جسم کی توانائی سے زیادہ ہی قوی اور طاقتور ہے اس لئے مادی توانائی الوہیاتی توانائی کے تابع کام کرتی

ہے بالفاظ دیگر انسان کا ہر عمل اس کے ارادے کے تابع ظہور پذیر ہوتا ہے۔ انسانی خودی ہر فرد کو یکساں طور پر لیکن غیر نشوونما یافتہ (Un-developed) شکل میں ملتی ہے۔ اس کی نشوونما صرف قرآنی اقدار کے تحت ہوسکتی ہے اس لئے انسان کو ہدایت اور راہنمائی کے لئے حضرات انبیاؑ کی وساطت سے علم وحی عطا کیا گیا۔ اب دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی ذات کی کس حد تک نشوونما کرتا ہے' عربی میں اسے تزکیہ نفس کہا جاتا ہے۔ اس نشوونما یا تزکیہ کا مظاہرہ انسان کے کریکٹر کی رُو سے ہوتا ہے جسے حسنِ سیرت کہا جاتا ہے۔ یہی ''روحانیت'' ہے جس میں کوئی غیر محسوس' فوق الفطرت یا کوئی مخفی راز نہیں ہوتا۔ یہ نفس یا روح صرف بنی آدم کو عطا کی گئی ہے۔ اس کرہ ارض میں انسان کے علاوہ کسی دوسری مخلوق کو یہ الوہیاتی توانائی نہیں دی گئی۔ جناب ہارون یحییٰ نے اس حقیقت کو یکسر نظر انداز کر کے انسان سے پہلے کی مخلوقات کو بھی موجودہ انسان (بنی آدم) کا ہم پلہ قرار دے دیا ہے جس کی ان کے پاس نہ قرآنی سند ہے اور نہ سائنسی ثبوت۔

کائنات میں گذشتہ 13.7 بلین سال سے ارتقاء جاری ہے مگر ہمارے نظام شمسی کو وجود میں آئے تقریباً 5 ارب سال ہوئے ہیں۔ ہمارے کرہ ارض کی پیدائش کے بارے میں ایک نظریہ تو یہ ہے کہ نظام شمسی کے دیگر سیاروں کی طرح یہ بھی کسی حادثے کے سبب سورج سے الگ ہوئی تھی۔ اور ایک دوسرا نظریہ بھی ہے جس کی وضاحت بل برائسن نے یوں کی ہے۔ ''تقریباً 4.6 بلین سال پہلے 15 بلین میلوں پر محیط گیس اور گرد کا ایک عظیم الشان بھنور خلا میں ایک جگہ اکٹھا ہو گیا جہاں آج ہم ہیں اور جوڑ توڑ کی ابتدا ہوئی۔ تقریباً یہ سارے کا سارا یعنی شمسی نظام کا 99.9 فیصد سورج کی بناوٹ میں خرچ ہو گیا۔ تیرتا ہوا جو مادہ باقی بچا اس میں دو انتہائی باریک ذرات (جنہیں صرف خوردبین کی مدد سے دیکھا جا سکتا تھا) اتنے نزدیک آ گئے کہ الیکٹروسٹیٹک توانائیوں نے انہیں یکجا کر دیا۔ یہ ہمارے سیارے کی ابتدا تھی۔ ابتدائی نظام شمسی میں ہر جگہ یہی کچھ ہو رہا تھا۔ گرد کے ذرات آپس میں ٹکرا ٹکرا کر بڑے ٹکروں میں تبدیل ہوتے رہے اور پھر یہ ٹکڑے اتنے جسیم ہو گئے کہ انہیں پلینے ٹیسی ملز (Planetesimals) کا نام دیا گیا۔ ابھی تک یہ مسلسل برسرپیکار تھے۔ توڑ پھوڑ کا عمل اسی شدومد سے جاری تھا اور نئے نئے عجیب وغریب اشکال کے بڑے ٹکڑے وجود پا رہے تھے۔ مگر ہر مبارزہ آرائی کے دوران ان میں سے ایک فاتح ہوتا اور ان میں سے چند ایک اتنے بڑے ہو گئے کہ انہوں نے مدار پر غلبہ حاصل کر لیا جس میں انہوں نے چکر لگانا شروع کر دیا۔

یہ سب کچھ انتہائی جلدی میں ہوا۔ ذرات کے ایک چھوٹے سے جھنڈ سے ایک نومولود سیارہ بننے میں جو چند سو میل پھیلا ہوا تھا بہت کم وقت صرف ہوا۔ شاید چند لاکھ سال۔ تقریباً دو سو ملین سالوں میں یا اس سے کچھ کم عرصے میں زمین لازمی طور پر وجود میں آ چکی تھی گو یہ ابھی تک پگھلی ہوئی اور مائع حالت میں تھی اور ابھی تک اس پر بچے کھچے اور فضا میں معلق ٹکڑوں کی لگاتار بارش ہو رہی تھی۔ اس موقع پر تقریباً 4.5 بلین سال قبل ایک جسم جو جسامت میں مریخ کے برابر تھا زمین سے ٹکرایا اور اس میں سے کچھ حصہ ٹوٹ کر الگ ہو گیا اور ایک ساتھی کرہ بن گیا یعنی چاند۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ہفتوں میں یہ ٹوٹا ہوا مادہ اکٹھا ہو کر ایک اکائی میں تبدیل ہو گیا اور تقریباً سال

کے اندر اندر ایک دائرہ نما چٹان کی شکل اختیار کر گیا جو ابھی تک ہمارے ساتھ ہے۔ چاند کے مادے کا اکثر حصہ کرہ ارض کے خول سے حاصل کیا گیا۔ زمین کے مرکز نے چاند کی تشکیل میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اسی لئے چاند میں فولاد کی کمیابی ہے جبکہ ہمارے ہاں یہ دھات وافر مقدار میں ہے۔ اس نظریے کے بارے میں ہمیشہ یہ خیال آرائی کی جاتی ہے کہ یہ جدید ہے حالانکہ ہارورڈ کے ریجنالڈ ڈیلی نے اسے 1940ء میں پیش کیا تھا۔ جدید پہلو اس میں یہ ہے کہ لوگ اب اس پر توجہ دے رہے ہیں''۔

کرہ اِرض کی ابتدائی فضا کے متعلق بل برائسن کا کہنا ہے۔ ''جب زمین اپنے موجودہ حجم کا ایک تہائی تھی تو اس نے فضا کی تشکیل شروع کر دی تھی جو زیادہ تر کاربن ڈائی آکسائیڈ' نائٹروجن' میتھین اور سلفر پر مشتمل تھی۔ ان چیزوں کا زندگی سے دور کا بھی رابطہ نہ تھا۔ تاہم اسی دم پخت سے زندگی کی ابتدا ہوئی۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ ایک طاقتور گیس ہے جو پودوں کی نشوونما کے لئے لازم وملزوم ہے اور ہریالی کی ضامن بھی ہے۔ اس کا فائدہ ہی ہوا کیونکہ ان دنوں سورج کی روشنی زیادہ نہیں تھی۔ اگر ہمیں ابتدا میں گرین ہاؤس اثرات کے فوائد میسر نہ آتے تو زمین شاید ہمیشہ کے لئے منجمد ہو جاتی اور یہاں زندگی کی کبھی ابتدا نہ ہوتی۔ اگلے پانچ سو ملین سالوں کے دوران زمین مسلسل تختۂ مشق بنی رہی۔ دُم دار ستارے' شہاب ثاقب اور دوسرے کہکشانی ٹکڑے مسلسل اس پر برستے رہے۔ اس کی بدولت سمندروں کو بھرنے کے لئے پانی میسر ہوا اور زندگی کی کامیاب تشکیل کے لئے ضروری عناصر مہیا ہوئے۔ یہ خاص طور پر ایک ناسازگار ماحول تھا اس کے باوجود اسی جگہ زندگی کے بیج کی آبیاری ہوئی۔ کیمیائی مادوں کے ایک چھوٹے سے تھیلے نے پینترا بدلا اور زندہ ہو گیا۔ ہمارا سفر شروع ہو چکا تھا۔ چار بلین سال بعد لوگوں نے حیران ہونا شروع کر دیا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا''۔

"Nature and nature's Laws laydown in night.

God said, let newton be! and all was light."

''قدرت اور قوانینِ قدرت رات کی تاریکی میں چھپے ہیں۔

خدا نے کہا' نیوٹن ہو! اور نور ہی نور ہو گیا۔۔۔''

دیگر سائنسی نظریات کی مانند کرہِ ارض کے متعلق یہ نظریات بھی انسانی کاوشوں کا نتیجہ ہیں جن میں انسانی علم کی ترقی کے ساتھ تبدیلیاں بھی ہوتی رہتیں ہیں۔ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ آنے والے وقت میں کچھ اور نظریات سامنے آ جائیں۔ ابدی حیثیت بہرحال علم وحی کو ہی حاصل رہے گی۔

کرہِ ارض کے متعلق مختلف تصورات کی اہم بات یہ ہے کہ دونوں نظریات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زمین کی موجودہ ہیت بتدریج ارتقائی عمل کے نتیجے میں وجود میں آئی۔

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ملک منظور حسین لیل۔ بھکر
mhleeladv@yahoo.com

دوسری قسط

مذہبی پیشوائیت
احبار و رُہبان

ہر رسول کی مخالفت:۔ جب بھی کسی قوم میں کوئی رسول آیا اور اس نے ان سے کہا کہ: اُعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ (23:23)۔ ''اطاعت صرف قوانین خداوندی کی کرو۔ اس کے سوا کسی کو حقِ اقتدار حاصل نہیں۔'' تو مذہبی پیشوا اس کی مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے یہ کہہ کر عوام کے جذبات کو مشتعل کر دیا کہ: ماھٰذا الا دجل'' یرید ان یصدکم عما کان یعبد اٰباؤکم (۴۳/۳۴)۔ اس شخص کی باتوں میں نہ آجانا۔ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے اسلاف کے راستے سے بہکا دے۔ (جیسا کہ معلوم ہے) قرآن کریم نے آسمانی سلسلہ رشد و ہدایت کی داستان کا آغاز حضرت نوح سے کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب حضرت نوح نے خدا کا پیغام قوم کے سامنے پیش کیا تو مذہبی پیشوا اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ: مَّا سَمِعۡنَا بِہٰذَا فِیۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِیۡنَ (23:24)۔ ''ہم نے اپنے اسلاف سے ایسی کوئی بات نہیں سنی۔'' اس لئے ہم اسے ماننے کے لئے تیار نہیں۔ حضرت نوح کے بعد' حضرت صالح آئے تو پیغامِ خداوندی کے جواب میں ان سے بھی یہی کہا گیا کہ: اَتَنۡہٰىنَاۤ اَنۡ نَّعۡبُدَ مَا یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا (11:62)۔ ''اچھا! تُو اس لئے آیا ہے کہ ہم سے ان معبودوں کو چھڑا دے جن کی پرستش ہمارے اسلاف کیا کرتے تھے۔ ہم تمہاری بات سننے کے لئے تیار نہیں۔ اسی طرح جب حضرت ابراہیم نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ مٹی کی مورتیاں جن کے ساتھ تم اس طرح چمٹے بیٹھے ہو' ذرا بتاؤ تو سہی کہ ان کے معبود ہونے کی تمہارے پاس دلیل کیا ہے' تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اس کی' اس سے بڑھ کر دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ: وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا لَہَا عٰبِدِیۡنَ (21:53)۔ ہمارے اسلاف ان کی پرستش کیا کرتے تھے۔ اور جب حضرت ابراہیم نے ان کی اس دلیل کے بودہ پن کو واشگاف کیا تو انہوں نے شور مچا دیا اور قوم سے کہا کہ اسے پکڑو۔ مارو۔ جلا دو۔' یہ تمہارے اسلاف کے حق میں گستاخی کرتا ہے۔ اسی طرح جب مدین میں حضرت شعیب نے اقتدارِ خداوندی کی دعوت پیش کی تو انہیں بھی اس کا یہی جواب ملا کہ: قَالُوۡا یٰشُعَیۡبُ اَصَلٰوتُکَ تَاۡمُرُکَ اَنۡ نَّتۡرُکَ مَا یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ (11:87)۔ اے شعیب! تمہاری اس دعوت کا تو مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے اسلاف کا راستہ چھوڑ دیں۔ آسمانی دعوتِ انقلاب کے ردِ عمل کے طور پر اسی قسم کا جواب حضرت موسیٰ کو ملا کہ: اَجِئۡتَنَا لِتَلۡفِتَنَا عَمَّا وَجَدۡنَا عَلَیۡہِ اٰبَآءَنَا (10:78)۔ کیا تُو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اس راہ سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے اسلاف کو پایا ہے۔ اور جب اسی سلسلہء ہدایت کی آخری کڑی' حضور ختمی مرتبت ﷺ کی

طرف سے وہی دعوت پیش کی گئی تو اس کا جواب بھی یہی ملا کہ: مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ (38:7)۔ جو کچھ تم کہتے ہو، ہم نے اپنے اسلاف سے ایسا نہیں سنا۔ اس لئے ہم اس دعوت کو قابلِ التفات نہیں سمجھتے۔ غرضیکہ، حضرت نوح ہوں یا ہود، حضرت صالح ہوں یا شعیب، حضرت موسیٰ ہوں یا حضور نبی آخر الزمان ﷺ، جب، جہاں اور جس نے بھی خالص وحیِ خداوندی کی اطاعت کی دعوت دی، اسے یہی جواب ملا کہ: اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ (43:22)۔ ہم تمہاری بات نہیں سنیں گے، ہم اپنے اسلاف کے طریقے پر چلتے جائیں گے۔ کہا گیا کہ:۔ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (5:104)۔ ''اگر صورت یہ ہو کہ تمہارے اسلاف کو حقیقت کا کچھ علم نہ ہو اور وہ ساری عمر غلط راستے پر چلتے رہے ہوں۔ تو کیا پھر بھی تم انہی کا اتباع کرو گے۔'' جواب ملا کہ آپ اپنی دعوت کو سنبھال رکھئے۔: حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا (5:104)۔ ''ہمارے لئے یہ کافی ہے کہ ہم اپنے اسلاف کے راستے پر چلتے رہیں''۔ قرآن کریم نے اس ساری تفصیل کو ایک آیت میں سمٹا کر بیان کر دیا ہے۔ جب کہا کہ: وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (43:23)۔ ''اسی طرح، ہم نے جب بھی کسی بستی میں کوئی نذیر بھیجا تو اس گروہ نے، جو دوسروں کی کمائی پر تن آسانی کی زندگی گزارتا تھا، یہ کہہ کر اس کی مخالفت کی کہ ہم کسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ ہم نہیں جانتے کہ دلیل کیا ہوتی ہے اور برہان کیا۔ ہم اتنا ہی جانتے ہیں کہ اسلاف کی راہ ہی سلامتی کی راہ ہوتی ہے۔ ہم اس پر چل رہے ہیں اور اسی پر چلتے جائیں گے۔ اس لئے ہم تمہاری بات سننے کے لئے تیار نہیں''۔۔ سلسلہء انبیاء کرام تو حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس پر ختم ہو گیا لیکن دعوتِ انبیاء کرام کا سلسلہ ختم نہیں ہوا، یہ دعوت اپنی مکمل اور غیر متبدل شکل میں قرآن مجید کے اندر موجود ہے۔ اسے پیش کرنے کے لئے خدا کی طرف سے اب کسی رسول کے آنے کی ضرورت نہیں۔ یہ فریضہ امتِ محمدیہ ﷺ کے سپرد کر دیا گیا جب کہا کہ: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (35:32)۔ ''پھر ہم نے اس کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنا دیا جنہیں اس مقصد کے لئے منتخب کیا گیا تھا''۔ اب خالصۃً اطاعتِ خداوندی کی دعوت کا فریضہ امتِ محمدیہ ﷺ کو سونپ دیا گیا ہے۔۔۔ یہ ظاہر ہے کہ جب وہ دعوت موجود ہو گی تو اس کی مخالفت کرنے والی مذہبی پیشوائیت کی جماعت بھی موجود ہو گی۔ کہ کشمکشِ حق و باطل ازل سے چلی آ رہی ہے اور ابد تک رہے گی''۔ صفحہ نمبر ۳۱ پر رقمطراز ہیں۔ ''مذہبی پیشوائیت کے مسلکِ اسلاف پرستی کا سب سے پہلا نقصان یہ ہوتا ہے کہ۔۔ اس سے قوم کی سمجھنے سوچنے کی صلاحیتیں مفقود ہی نہیں مصلوب ہو جاتی ہیں۔ اسے بڑی آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ آپ کسی معاملہ کے متعلق ان سے پوچھیں۔ یہ اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس کے متعلق فلاں امام کا یہ قول ہے۔ فلاں محدث نے یہ کہا ہے۔ فلاں مفسر کا یہ ارشاد ہے۔ فلاں کتاب میں یہ آیا ہے۔ یعنی اس میں ان کی اپنی عقل و فکر کا کوئی دخل نہیں ہو گا۔ یہ اسلاف کے اقوال پیش کرتے چلے جائیں گے۔ ان میں سب سے بڑا عالم اسے کہا جائے گا جو سب سے زیادہ حوالے دے سکے۔ یعنی جو بہت بڑا ''کیٹالاگر'' (cataloguer) ہو۔ ظاہر ہے کہ اسے نہ علم کہہ سکتے ہیں نہ فکر۔ اسے زیادہ سے زیادہ کتابی معلومات کہہ سکتے ہیں۔ اب رہا مستفسر!۔ سو اسے اس کی قطعاً اجازت نہیں ہو گی کہ وہ اسلاف کے ان ارشادات پر کسی قسم کی تنقید کر سکے۔ اسے انہیں بلا

چوں و چرا ماننا ہوگا۔ اگر اس میں ذرا سا بھی تامل کرے گا تو اس پر کفر کا فتویٰ لگ جائے گا۔ ان حالات میں آپ سوچئے کہ کیا اس قوم میں فکری صلاحیتوں کی ذرا سی بھی نمود ہو سکتی ہے؟۔ اور جب اس حالت پر صدیاں گزر جائیں تو ان میں سوچ بچار کا مادہ بھی باقی رہ سکتا ہے؟۔ قرآن کہتا ہے کہ ایسی قوم کے عوام اور ان کے مقتداؤں کی مثال یوں سمجھو:۔ الذی ینعق بما لا یسمع الا دعاء ونداً۔ کہ بھیڑ بکریوں کا ایک ریوڑ ہے اور ان کے پیچھے ایک چرواہا۔ چرواہے نے اپنے بڑے بوڑھوں سے کچھ آوازیں سیکھ رکھی ہیں۔ بلا الفاظ۔ اور کچھ الفاظ یاد کر رکھے ہیں۔ بلا معنی و مطلب۔ وہ یہ آوازیں نکالتا اور الفاظ دہراتا رہتا ہے۔ اور بھیڑ بکریاں' جوان آوازوں اور اشاروں کی عادی ہو چکی ہیں' بلا سوچے سمجھے' ان کے مطابق چلتی رہتی ہیں:۔ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (2:171)۔ بہرے' گونگے' اندھے' عقل و فکر سے عاری حیوان۔ انہیں انسان کون کہہ سکتا ہے!۔ آپ سوچئے کہ ایسی قومیں' ان قوموں کا مقابلہ کرنا تو ایک طرف' ان کے زمرے میں بھی شمار ہو سکتی ہیں جو عقل و فکر سے کام لیتی اور علم و بصیرت کی روشنی میں قدم اٹھاتی ہیں؟۔ زندہ قوموں میں شمار ہونا تو ایک طرف' قرآن انہیں صفِ آدمیت میں بھی جگہ نہیں دیتا جب کہتا ہے کہ: أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (7:179)۔ یہ لوگ انسان نہیں' حیوانات کی مانند ہوتے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ گم کردہ' کہ حیوانات عقل و فکر سے کام نہیں لیتے (کہ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتے) تو اپنی جبلی راہنمائی کا اتباع تو کرتے ہیں!۔ وہ لاکھ چرواہے کی آوازوں پر چلیں۔ چرواہا اگر کسی بکری کو گوشت کھلانا چاہے تو وہ کبھی اس کا کہنا نہیں مانے گی۔ وہ اپنی فطری جبلت کا اتباع کرے گی جس نے اس کے لئے گوشت کو ''حرام'' قرار دے رکھا ہے۔ برعکس اسلاف پرست قوم کے' کہ اس کے لئے حرام حلال کی فہرستیں بھی ان کے مذہبی پیشوا' مرتب کرتے ہیں!۔ خدا کی متعین فرمودہ فہرست کو کافی نہیں سمجھتے۔

منافقت عام ہو جاتی ہے:۔ مذہبی پیشوائیت کے تسلط کا دوسرا' اور سب سے زیادہ خطرناک' اثر یہ ہوتا ہے کہ قوم میں منافقت اور ریاکاری عام ہو جاتی ہے۔ یاد رکھئے! عوام ہمیشہ خواص' یعنی اربابِ اقتدار کے مسلک' نظریات' ذہنیت' حتیٰ کہ ان کی سیرت و کردار تک سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگر نظامِ حکومت قرآنی خطوط پر متشکل نہیں اور اربابِ اقتدار کی سیرت ابدی اقدار کے سانچے میں ڈھلی ہوئی نہیں تو وہ ہمیشہ مذہبی پیشوائیت سے خائف رہتے ہیں۔ اور کوئی بات ایسی نہیں کرتے جس سے وہ ناراض یا مخالف ہو جائیں۔ وہ ان سے ہر حال میں بنا کر رکھنے ہی میں مصلحت سمجھتے ہیں۔ مذہبی پیشوا ان سے اس کی قیمت وصول کرتے ہیں اور اس طرح ان دونوں گروہوں کے مفاد میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو بات کسی سے ڈر کر' بر بنائے مصلحت کی جائے' اس سے منافقت پیدا ہوگی۔ منافقت ان دونوں گروہوں کا شعار ہوتا ہے۔ مذہبی پیشوائیت' مذہب کو ابدی حقیقت نہیں سمجھتی۔ بلکہ اپنے مفادات کے حصول کا ذریعہ سمجھتی ہے۔ اس لئے ان کی مذہب سے وابستگی' مصلحت کوشی پر مبنی ہوتی ہے۔ وہ ''بنے ہوئے مقدس'' ہوتے ہیں۔ دوسری طرف' اربابِ اقتدار کی طرف سے مذہبی عقائد و رسوم سے تمسک' مُلّا کے ڈر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس لئے سراسر منافقت پر مبنی۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہبی پیشوائیت کی پراپیگنڈہ مشینری اس قدر وسیع اور منظّم ہوتی ہے کہ دنیا کی کسی حکومت کی پراپیگنڈہ مشینری اس کی حریف نہیں

ہوسکتی۔ آپ غور کیجئے کہ ملک میں کس قدر مساجد ہیں اور کہاں کہاں واقع ہیں۔ ان میں سے ہر مسجد' مذہبی پیشوائیت کے پراپیگنڈہ کا مرکز ہوتی ہے۔ پھر مرکز بھی اس قسم کا کہ لوگ اس میں بغیر کسی دعوت' اعلان یا اشتہار کے ہر روز پانچ دفعہ خود بخود جمع ہو جاتے ہیں اور ہفتہ میں ایک بار' اجتماعِ عظیم ہوتا ہے۔ اس اجتماع کی صورت یہ ہوتی ہے کہ خطیب جو کچھ جی میں آئے برسرِ منبر کہتا چلا جائے' خطبہ کے دوران' کسی اور کا بولنا شرعاً ممنوع ہوتا ہے۔ کیا اس قسم کے منظّم پراپیگنڈہ کی مشینری کی مثال آپ کو کہیں اور بھی مل سکتی ہے؟۔ اس مشینری کی قوت سے بے خوف وہی رہ سکتا ہے جس میں کوئی ذاتی کمزوری نہ ہو۔ جن اربابِ اقتدار کی زندگی اندرونی کثافتوں سے ملوث ہو وہ اس مشینری کی مخالفت کی جرأت کر ہی نہیں سکتے۔ وہ ان سے مفاہمت (Compromise) ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔ اس مفاہمت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اربابِ اقتدار ان کی ہاں میں ہاں ملاتے اور ان کے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔ اور یہ' اربابِ اقتدار کے عیوب پر' پردے ڈالتے رہتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ یحییٰ خان (سابق صدرِ پاکستان) جیسے فاسق و فاجر کے متعلق۔۔ کہ جس کا فسق و فجور' ننگا دھڑنگا' کوچہ و بازار میں رسوا پھرتا تھا۔۔ یہ کہا گیا تھا کہ وہ حضرت علیؓ کے جانشین ہیں اور خلافتِ راشدہ کے منقطع شدہ رشتے کا احیاء ان کے ہاتھوں سے ہوگا (معاذ اللہ)۔۔ یہ ارشاد تھا جماعتِ اسلامی کے امیر' میاں طفیل محمد صاحب کا!۔ ''درویشی اور سلطانی'' کی اس عیاری سے منافقت کی وباء پھوٹتی ہے اور سارے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ ہمارا معاشرہ اس کی زندہ شہادت ہے۔۔۔ پاکستان کا مطالبہ اس لئے کیا گیا تھا کہ ہم اس میں مملکتِ قرآنی کا احیاء کر سکیں گے۔ یہ دعویٰ مذہبی پیشوائیت کے لئے پیغامِ مرگ تھا اس لئے ان کی طرف سے اس کی مخالفت ہوئی اور سخت مخالفت۔'' تھوڑا سا آگے چل کر لکھتے ہیں۔ ''تھیاکریسی' یعنی مذہبی پیشوائیت ہمیشہ سیکولر اندازِ حکومت میں پنپتی ہے۔ سیکولر حکومت سے مراد یہ ہے کہ امورِ مملکت' حکومت کے زیرِ اقتدار رہیں اور مسلمانوں کے پرسنل لاز' اربابِ شریعت کے زیرِ تسلط۔ جب تک یہ انداز قائم رہے' مذہبی پیشوائیت کے نقطہء نظر سے اسلام بالکل محفوظ رہتا ہے۔

تھیاکریسی سیکولرازم کی علمبردار:۔ یہ اُس وقت شور مچاتے ہیں جب کوئی حکومت' ان کے دائرہء اقتدار میں دخل دینے کی کوشش کرے۔ آپ نے کبھی اس پر بھی غور کیا کہ یحییٰ خان کو جانشینِ حضرت علی قرار دینے والی جماعت اسلامی نے ایوب خان کے خلاف اس قدر شورش کیوں برپا کی تھی؟۔ اس لئے کہ اس نے عائلی قوانین کو مذہبی پیشوائیت کے حیطہء اقتدار سے نکال کر' حکومت کے دائرہء اختیار کی طرف منتقل کر دیا تھا۔ آپ اس پر بھی غور کیجئے کہ ملک میں سینکڑوں ایسے قوانین رائج تھے جو کھلم کھلا اسلام کے خلاف تھے۔ دور نہ جائیے!۔ زنا کو لیجئے۔ ملک میں زنا از روئے قانون جائز قرار دے دیا گیا تھا۔ (اور اب بھی وہی صورت ہے)۔ اس کے لئے حکومت کی طرف سے باقاعدہ لائسنس جاری ہوتے تھے (اور ہوتے ہیں)۔ ان حضرات نے زنا کے خلاف کبھی محاذ آرائی اور مورچہ بندی نہ کی۔ لیکن عائلی قوانین کی مخالفت میں ہنگامے برپا کر دیئے۔ اس کے لئے یہ لوگ دلیل دیتے تھے کہ اس سے زنا کے امکانات کے دروازے کھُل جائیں گے۔ یعنی زنا کاری کے وہ مراکز جن کے دروازے دن رات کھُلے رہتے ہیں' ان کے خلاف آواز تک اٹھانے کی

بھی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔لیکن عائلی قوانین کے خلاف طوفان اس لئے برپا کیا گیا کہ ان سے (بقول ان کے) زنا کے امکانات بڑھ جانے کا اندیشہ تھا!۔ یہ سب دھوکا تھا۔اصل بات یہ تھی کہ عائلی قوانین' پرسنل لاز کے زمرے میں آتے تھے' جو مذہبی پیشوائیت کے حیطہء اقتدار میں تھے۔ان میں حکومت کی مداخلت کسی صورت میں روا نہیں رکھی جاسکتی تھی۔ یہ ہنگامہ آرائیاں اسی لئے کی گئی تھیں۔ان کی یہی ہنگامہ آرائیاں ہیں جن سے ڈر کر' اربابِ اقتدار کو منافقت اختیار کرنی پڑتی ہے۔ میں ذاتیات میں نہیں جایا کرتا۔ ورنہ میں آپ احباب کو بتاتا کہ ان میں کتنے ہیں جو کمروں کے اندر بیٹھے' مولویوں کو گالیاں دیتے اور ان کے پیش کردہ اسلام پر تبریٰ بھیجتے رہتے ہیں۔لیکن کمروں سے باہر نکل کر انہیں جھک جھک کر سلام کرتے اور ان کی ہفوات کو خدا و رسول کے ارشادات قرار دے کر ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں (ص۔۳۴)۔'' آگے چل کر مزید لکھتے ہیں۔'' یہ ہے عزیزانِ من! جو کچھ مذہبی پیشوائیت کسی قوم کے ساتھ کرتی ہے۔اب آپ سوچئے کہ جب کسی قوم کی سمجھنے سوچنے کی صلاحیتیں مفلوج کر دی جائیں اور منافقت اور ریاکاری اس کا عام شیوہ ہو جائے' تو اس قوم کا شمار دنیا کی زندہ قوموں میں کس طرح ہو سکتا ہے۔تاریخ اس کی شاہد ہے کہ جب تک کسی قوم پر مذہبی پیشوائیت مسلط رہی وہ دنیا میں ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا سکی۔ مذہبی پیشوائیت وہ ''اکاس بیل'' ہے جو خود تو بڑھتی' پھولتی' پھلتی رہتی ہے' لیکن جس درخت پر یہ چھا جائے وہ سوکھتا چلا جاتا ہے۔آپ اقوامِ یورپ کو دیکھئے! جب تک انہوں نے اس اکاس بیل کو اتار کر نہیں پھینک دیا' زندگی کی تروتازگی ان کے نصیب نہیں ہوئی۔ یہ قومیں' جو زمین کو چھوڑ اب آسمانی کرّوں تک کو مسخر کر رہی ہیں' تو اسی لئے کہ انہوں نے ان زنجیروں سے آزادی حاصل کر لی ہے۔قرآن' شجرِ انسانیت کو اس اکاس بیل سے آزاد کرانے کے لئے آیا تھا۔چنانچہ اس نے ایسا کر کے دکھا دیا۔اس کے بعد' جب دین' مذہب میں تبدیل ہو گیا تو یہ اکاس بیل پھر شجرِ ملت پر چھا گئی۔حصول پاکستان' اُسی نظام کے احیاء کی کوشش تھی جس سے شجرِ ملت' زندگی اور شادابی کو چوس لینے والی اس اکاس بیل سے نجات حاصل کر سکتا تھا۔لیکن ان اسباب و علل کی وجہ سے' جن کی طرف میں نے' پہلے اشارہ کیا ہے' ایسا نہیں ہو سکا۔ بلکہ یہ بیل اور زیادہ پھیل گئی ہے۔ یہ' اوپر کے طبقہ کی اندرونی کمزوریوں کی نسبت سے پھیلا کرتی ہے (ص۔۳۵)۔''

☆.....☆.....☆

منافقت اور مذہبی پیشوائیت :۔ طلوعِ اسلام فروری ۱۹۷۲ء ص۔۵۵۔''یوں تو منافقت ہر بہروپ میں خطرناک ہوتی ہے لیکن جب یہ مذہب کا نقاب اوڑھ کر آئے تو اس کی تباہ کاریاں حدود فراموش ہو جاتی ہیں۔ مذہبی منافقت کی ٹیکنیک یہ ہوتی ہے کہ:۔ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ (2:146)۔ وہ (خدا کی بتائی ہوئی) سچی بات کو چھپا کر رکھیں گے کہ اس کے ظاہر ہو جانے سے ان کی نقاب دری ہو جاتی ہے۔حقیقت اور صداقت کو چھپا دینے کے بعد' وہ کریں گے یہ کہ:۔ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِندِ اللّٰهِ (2:79)۔اپنی مصلحتوں کے مطابق فیصلے کریں گے۔فتوے لکھیں گے۔اور انہیں لوگوں کے سامنے یہ کہہ کر پیش کریں گے کہ یہ شریعتِ خداوندی کا فیصلہ ہے۔ یہ خدا اور رسول کا حکم ہے۔ یہ دین ہے۔ یہ اسلام ہے۔اور یہ سب اس لئے کہ:۔ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا (2:79)۔

تا کہ اس سے کچھ مفاد حاصل ہو جائے۔ یہ دین فروشی، منافقت کی بدترین شکل ہے۔ اور مذہبی پیشوائیت کا سارا کاروبار اسی کے سہارے چلتا ہے۔ ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ:۔ وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ۔ ان کی ظاہری شکل وصورت دیکھئے تو نہایت متقی اور پرہیزگار، خضوع وخشوع کے پیکر، ورع وتوکل کے مجسمے، پابندیء شریعت کے دلکش مظاہر، سرتاپا روحانیت کے فشردہ منجمد۔۔۔ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ۔ ان کی باتیں سنئے تو ایسی دلکش اور جاذب کہ جی چاہے سنتے ہی جائیے۔ نہایت دلفریب، بڑی خوش کن، ایک ایک لفظ صداقت و دیانت، امانت وشرافت، خلوص وایثار، اسلام سے شیفتگی ووابستگی، دین کے لئے ہر قسم کی قربانی، کی درخشندہ شہادت۔ لیکن:۔ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ (63:4)۔ لیکن ذرا نقاب اٹھا دیجئے تو ''قبر چونے گچ اور مردہ بے ایمان'' کا آئینہ۔ سر سے پاؤں تک تصنع۔ ایک ایک حرکت میں بناوٹ۔ ایک ایک لفظ میں منافقت۔ ساری زندگی مصنوعی۔ ہر وقت دھڑکا کہ کہیں بھید نہ کھل جائے۔ اس لئے حالت یہ کہ:۔ یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْ (63:4)۔ کہیں پتہ کھٹکا اور ان کی جان نکل گئی کہ آئی مصیبت۔ نتیجہ یہ کہ کسی نے ان کی کسی بات سے ذرا سا بھی اختلاف کیا اور انہوں نے اس پر کفر وارتداد کا فتویٰ لگایا۔ اور پھر عوام کو اس قدر مشتعل کر دیا کہ اس بے چارے کے لئے جینا محال ہو جائے۔'' اس کے بعد مذہبی پیشوائیت کی اس منافقت کو سامنے لایا گیا جس کے ذریعے وہ قیامِ مساجد کے مقدس لبادے میں مسلمانوں میں فرقہ بندی (جسے اللہ تعالیٰ نے شرک، کفر، ارتداد قرار دیا ہے) کا سبب بنتے ہیں''۔۔۔ اور جب مذہبی پیشوائیت سیاست میں آجائے تو اس کی منافقت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

دین وسیاست:۔ طلوعِ اسلام دسمبر ۱۹۷۸ء۔ ص۔ ۶۱۔ ''جہاں مذہبی پیشوائیت کا اثر غالب ہوگا وہاں قرآنی نظام بار نہیں پا سکے گا۔ ہمارے ہاں اس نظریہ پر بہت زور دیا جاتا ہے کہ اسلام میں مذہب اور سیاست الگ الگ نہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اسلام میں دین خود سیاست ہے، اس لئے اس میں ان کے الگ الگ ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جس مقصد کے لئے یہ حضرات اس سلوگن کو عام کرتے ہیں وہ کچھ اور ہے۔ اسلام میں اس نظریہ کا مطلب یہ تھا کہ فیصلے کتاب اللہ کے مطابق ہوں گے اور حکومت ان فیصلوں کو نافذ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ یہ وہ تھیا کریسی ہے جسے ختم کرنے کے لئے قرآن نازل ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ:۔ وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (5:44)۔ ''جو لوگ کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔'' اور ان حضرات کا ارشاد ہے کہ جو لوگ ''ان کے فیصلوں'' کو نہیں مانتے وہ کافر ہیں۔ قرآنی نظام میں حکومت خدا کی ہوتی ہے، ان کے نظامِ شریعت میں مذہبی پیشوائیت کی۔ ان حضرات کی کافر سازی کی داستان بڑی طویل ہے، قلتِ وقت جس کی اجازت نہیں دیتی۔ مختصراً یہ سمجھ لیجئے کہ اس وقت پاکستان میں جتنے فرقے ہیں ان میں سے ہر ایک فرقہ پر دوسرے فرقوں کی طرف سے کفر کے فتوے لگ چکے ہیں۔ اس لئے ان فتووں کی رو سے پاکستان میں کوئی بھی مسلمان نہیں۔ اور اس کے باوجود ان فرقوں کے نمائندے نظامِ مصطفیٰ ﷺ قائم کرنے کے مدعی

ہیں۔ان میں سے ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔اس وقت ان میں نمایاں مفتی محمود اور مودودی صاحب ہیں۔۱۹۶۹ء کا ذکر ہے۔مفتی صاحب نے حیدر آباد پریس کلب میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔''مودودی نے جمیعت العلماء کے مولویوں کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔مودودی کو فتویٰ دینے کا حق حاصل نہیں۔فتویٰ دینے کا حق مجھے ہے۔۔۔۔۔میں آج اس پریس کلب میں فتویٰ دیتا ہوں کہ مودودی گمراہ' کافر اور خارج از اسلام ہے۔اس کے اور اس کی جماعت سے تعلق رکھنے والے کسی مولوی کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز اور حرام ہے۔اس کی جماعت سے تعلق رکھنا کفر اور ضلالت ہے۔وہ امریکہ اور سرمایہ داروں کا ایجنٹ ہے۔اب وہ موت کے آخری کنارے پر پہنچ چکا ہے اور اب اسے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔اس کا جنازہ نکل کر رہے گا۔''

(ہفت روزہ۔زندگی۔لاہور۔مورخہ۔۱۰ نومبر ۱۹۶۹ء)۔اب وہی مفتی صاحب' مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے ساتھ مل کر نظامِ مصطفٰے (ﷺ) قائم کرنے کا دعویٰ فرما رہے ہیں!۔حالانکہ انہوں نے کہا یہ تھا کہ مودودی صاحب بھی کافر ہیں اور ان کی جماعت سے تعلق رکھنے والا بھی کافر۔۔۔ان سے آگے بڑھئے تو مفتی صاحب اور نورانی صاحب ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور نورانی صاحب حرمین الشریفین کے اماموں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔اور یہ سب نظامِ مصطفٰے (ﷺ) قائم کرنے کے مدعی ہیں!۔

میرا جرم یہ ہے کہ میں ان کے یہ عقائد اور مسالک قوم کے سامنے لاتا رہتا ہوں۔یہی میری مخالفت کی وجہ ہے۔''

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆

شرحِ جاوید نامہ شائع ہوگئی!

مفکرِ قرآن غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ کے لیکچرز کی تسوید پر مشتمل اپنے انداز کی منفرد شرح جاوید نامہ شائع ہوگئی ہے۔بڑے سائز کے 800 صفحات پر مشتمل اِس یکتائے روزگار شرح کی قیمت صرف ایک ہزار روپے ہے۔

منگوانے کا پتہ

ادارہ طلوعِ اسلام

25-B گلبرگ 2، لاہور۔54660، پاکستان

فون:042-35714546

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
azureabbas@hotmail.com
www.azharabbas.com

چرچ اور سٹیٹ کا باہمی تعلق

جیو چینل پر ایک بہت کامیاب پروگرام ''آپس کی بات'' ہر ہفتہ ہوتا ہے۔ پاکستان میں یہ پروگرام بہت مقبول ہے اور اکثر حضرات اس کو دیکھتے ہیں اس میں صرف دو حضرات حصہ لیتے ہیں ایک منیب فاروق صاحب اور دوسرے جناب نجم سیٹھی صاحب۔ نجم سیٹھی صاحب بہت بلند پایہ جرنلسٹ ہیں، اور علمی و سیاسی حلقوں میں معروف شخصیت ہیں۔ سابقہ اتوار مورخہ 13-8-18 کو اس پروگرام کے دوران جناب سیٹھی صاحب نے فرمایا کہ مذہب اور سیاست کو الگ الگ رہنا چاہئے۔ چرچ کو سٹیٹ کے امور میں دخل نہیں دینا چاہئے اور نہ ہی سٹیٹ کو چرچ کے امور میں دخل اندازی کرنی چاہئے۔ اپنا یہ نظریہ انہوں نے بہت واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ ہمارے دل میں سیٹھی صاحب اور منیب فاروق صاحب کی بہت عزت ہے منیب صاحب کی اس وجہ سے تھی کہ وہ بہت فرض شناس ہیں۔ جس دن ان کی شادی ہوئی تھی اس دن کا بھی پروگرام انہوں نے miss نہیں کیا۔

انسانی سوچ اور وحی الٰہی میں یہ فرق ہوتا ہے کہ انسانی سوچ میں غلطی کا امکان ہوتا ہے۔ اور حالات کے تقاضوں کے مطابق انسانی سوچ بدل سکتی ہے۔ لیکن وحی الٰہی میں کسی قسم کی غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔ وحی کے حقائق میں بھی کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ جب پاکستان کی تحریک اپنے عروج پر تھی تو کانگرس اور لیگ کے درمیان یہ بات مختلف فیہ تھی کہ قوم وطن سے بنتی ہے یا دین سے۔ کانگرس کا دعویٰ تھا کہ قوم وطن سے بنتی ہے لیکن لیگ کا دعویٰ تھا کہ قوم دین سے بنتی ہے اور اصل وجہ یہ ہے کہ اس اصول کو طے کرنے کے پیمانے مختلف تھے۔ کانگرس اپنی تائید میں پولیٹیکل سائنس کی موجودہ فکر پیش کرتی ہے جبکہ لیگ اِس بارے میں دین کو حجت ٹھہراتی تھی اور اب بھی ٹھہراتی ہے۔ قرآن نے کہا فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ (14:36) جو میرا اتباع کرے گا وہ مجھ سے ہے۔ اگرچہ پاکستان دولخت ہو گیا ہے لیکن قرآن ماننے والوں کے لئے مسلمان اب بھی ایک قوم ہے۔ خواہ اس کے کتنے ہی ملک بن جائیں۔ اسی طرح چرچ اور سٹیٹ کے باہمی تعلق کا مسئلہ ہے۔ یہ ایک فکر ہے۔ اگر پاکستان کو اس بارے میں فیصلہ نہ بھی کرنا ہو، تاہم اِس معاملہ میں قرآن کا فیصلہ سامنے ہونا چاہئے۔ ہمارے ہاں اِس معاملہ پر کبھی قرآن کی روشنی میں بحث نہیں ہوئی۔ عموماً اس کا سارا دارومدار قائداعظمؒ کے اقوال پر رکھا جاتا ہے۔ قائداعظمؒ کے بیانات میں حالات کی وجہ سے بظاہر تضاد ہے۔ اِس باب میں حتمی فیصلہ قرآن کا سامنے رکھا جانا چاہئے۔ قائداعظمؒ ہمارے محسن ہیں۔ پاکستان جیسی عظیم نعمت ان کی ہی عطا کردہ ہے لیکن اس کے باوجود قائداعظمؒ کا کوئی بیان حجت نہیں ہو سکتا ہے۔ قائداعظمؒ کا وہ بیان جو قرآن کے مطابق ہے وہ ہمارے سر آنکھوں پر لیکن ان کا وہ بیان جو اگر قرآن کے مطابق نہیں وہ قابل تسلیم نہیں۔

جہاں تک چرچ اور سٹیٹ کا تعلق ہے طلوع اسلام کے نزدیک اصولی فیصلہ تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے مطابق تو پرستش کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن کے مطابق تو مساجد اسلامی مملکت کے مراکز ہیں جہاں سے اسلامی مملکت کے احکامات جاری ہوتے ہیں۔ اوران احکامات کی اطاعت ہی عبادتِ خداوندی ہوتی ہے۔ پرستش نہ عبادت ہوتی ہے نہ اطاعت ہوتی ہے۔

پاکستان کی تحریک کے دوران اور آج بھی پاکستان میں مختلف الخیال لوگ موجود ہیں:۔

(1) ایک طبقہ تو وہ ہے جو بالکل لامذہب ہے اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ حضرات مذہب سے یک گونہ تنفر رکھتے ہیں۔ اور مذہب کو مسلمانوں کے زوال کا باعث سمجھتے ہیں۔ اور سیکولر سٹیٹ کے قیام پر اصرار کرتے ہیں۔

(2) ایک دوسرا طبقہ مسلمانوں کا وہ ہے جو نماز، روزہ، زکوٰۃ، جمعہ، تراویح، اعتکاف سب چیزوں کا قائل ہے۔ نہ کسی مسئلہ پر غور کرتے ہیں اور نہ ہی کسی مسئلہ پر اعتراض۔

(3) ایک طبقہ علماء کا ہے جو مذہب کا داعی ہے۔ تحریکِ پاکستان کے دوران، بڑے بڑے شیوخ وعلما اسی طبقہ میں شامل تھے۔ ان حضرات میں شیخ الحدیث دیوبندی مولانا مدنی صاحب، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید دہلوی زیادہ نمایاں ہیں۔ یہ حضرات تشکیل پاکستان کے خلاف اور چرچ اور اسٹیٹ کے الگ الگ ہونے کے قائل تھے۔

(4) قیام پاکستان کے بعد سے علماء کا ایک گروہ ایسا پیدا ہوا جو دین (اسلامی مملکت) کا تو داعی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ پرستش اور پرستش کی رسوم کا بھی قائل ہے اور بزعم خویش خلافت راشدہ کے ماڈل پر حکومت بنانا چاہتا ہے۔

(5) ایک بڑی مضبوط خالص قرآنی بنیادوں پر قائم تحریک طلوع اسلام بھی اسی دور میں شروع ہوئی اس تحریک کا چند الفاظ میں مختصر ترین تعارف یہ ہے کہ یہ تحریک دین کی داعی ہے۔ انبیاء کرام ہمیشہ دین لے کر آئے تھے اور اس کے مطابق مملکت قائم کرتے تھے اور انسانیت کے مسائل وحی کی رُو سے طے کر دیتے تھے شروع شروع میں عقل انسانی کم تھی اس لئے اصول وجزئیات، تمام ضابطہ میں موجود ہوتی تھیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمامہ میں لوگوں کو کشتی بنانا نہیں آتی تھی، وحی الٰہی نے خود کشتی بنانے کا طریقہ سکھایا۔ ہر نبیؑ کے انتقال کے بعد اس کی تعلیم مسخ ہو جاتی تھی اس لئے نئی تعلیم کی ضرورت ہوتی تھی نیز یہ کہ عقل انسانی میں اضافہ ہوتا گیا، تو اسی تدریج سے وحی میں اصول بڑھتے گئے اور جزئیات کم ہوتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ انسانیت بالغ ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے ایسی وحی عطا کر دی کہ اگر اس کے مطابق معاشرہ قائم کر دیا جائے تو وہ وحی اس معاشرہ میں انسانیت کے تمام مسائل حل کر سکتی ہے۔ ختم نبوت کے بعد انبیاء کرامؑ کے آنے کا سلسلہ چونکہ ختم ہوگیا، اس لئے اب امتِ مسلمہ کے ذمہ ہے کہ وہ دین قائم کرے اس لئے کہ ہر نبی پر دین قائم کرنا فرض تھا۔ اب ہر مسلمان پر دین کا قائم کرنا لازمی ہے۔

ختم نبوت کے بعد کسی نبی کو تو آنا نہیں تھا۔ اس لئے دین کے قیام کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے امت کے سپرد کی تھی (35:32) مسلمانوں کی بدقسمتی کہ ان میں ملوکیت در آئی اور اسلامی نظام منقرض ہوگیا۔ حالانکہ وہ 10 لاکھ مربع میل پر وسیع تھا۔ اور حضور ﷺ

نے اپنے دور میں مقامی حکام بھی مقرر کر دیئے تھے۔ جن کی معرفت رسول اللہ کی اطاعت ہوتی تھی۔ رسول اللہ کے دور سے لیکر آج تک مسلمان مذہب کی زندگی گذار رہے ہیں۔ کسی ایک شخص نے بھی دین کے قیام کی کوشش نہیں کی۔ رسول اللہ کے بعد تحریک طلوع اسلام پہلی تحریک جو خالص قرآنی نظام کو لے کر اٹھی ہے اس تحریک کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں انسانیت سے جو وعدے فرمائے ہیں وہ اِس نظام سے پورے ہوتے ہیں' قرآن میں ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (11:6) زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس پر رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو (11:6) اللہ یہ ذمہ داری لوگوں کے ہاتھوں پوری کرتا ہے اس کا نظام اس کی ذمہ داری پوری کرتا ہے۔ مسلمانوں کا عروج وزوال اس کے نظام سے وابستہ ہے۔ انسانوں کی دعائیں نظام کے ذریعے پوری ہوتی ہیں (27:62) اس نظام کے ذریعہ ہی اللہ ورسول کی اطاعت ہوتی ہے اور وہ نظام قائم نہ ہو تو اللہ ورسول کی اطاعت نہیں ہوسکتی۔ یہ بات واضح رہے کہ اس میں چرچ کا کوئی تصور نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بحث کہ چرچ اور سٹیٹ الگ الگ ہوں یا ایک دوسرے سے تعاون کریں' دین میں یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔ قرآنی سٹیٹ کی اطاعت ہی اللہ کی عبادت ہوتی ہے۔ یہ سوال مذہب میں پیدا ہوتا ہے۔ دین میں مساجد مختلف تحصیلوں' ضلعوں کے احکامات نافذ کرانے کے مراکز ہوتے ہیں۔ دین میں جب پرستش نہیں تو پرستش گاہ کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

چونکہ اس بحث میں کئی فریق شامل ہیں' اس لئے ہر فریق سے الگ خطاب کرنا ضروری ہے۔

(1) سیکولر ذہنیت رکھنے والے مسلمان' اور دین کے مخالف علماءِ کرام۔

(2) وہ علماء جو مذہب کے داعی ہیں' پرستش کی ساری رسوم ادا کرتے ہیں اور دین بھی قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایران کے مسلمان ہیں' پاکستان کی جماعت اسلامی' ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کی ''خدام القرآن'' یہ سب حضرات مذہب کو دین بنا کر چلانا چاہتے ہیں۔ مذہب اور دین ایک دوسرے کی ضد ہیں اس لئے مذہب بطور دین کے کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ اِس کا وہی حشر ہوگا جو ایران میں ہوا۔ انقلاب ایران سے بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ لیکن وہ اِس وجہ سے ناکام ہوگیا کہ اول تو تشیع میں دین کا تصور ہی نہیں ہے وہاں کے علماء اس بات کو سمجھتے ہی نہیں۔ دوسرے وہ مذہب کو بطور دین کے جاری کرنا چاہتے تھے۔ ان تینوں طبقے کے تمام حضرات نوافل' تہجد' شبینے' مجالس عزا' قربانی' فطرہ کے قائل ہیں۔ دین میں ان کا کوئی مقام نہیں۔

ان چاروں مکاتب فکر کی وضاحت پیش کرنے سے ایک بات عرض کرنی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ پاکستان جس طرح وجود میں آرہا تھا اس سے پیشتر اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی تھی' لیگ کے لیڈروں اور مسلمان عوام کا یہی خیال تھا کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست بنے گا' لیکن یہ کن نظریات کا حامل ہوگا یہ بات کسی کے ذہن میں نہیں تھی۔ ہر ایک کا اپنا اپنا تصور تھا۔ راجہ غضنفر علی خان نے لاہور کے Y.M.C.A ہال میں کہا تھا کہ ہمارا تو یہ خیال تھا کہ پاکستان اس طرح اسلامی مملکت ہوگا کہ اس میں دولت کی تقسیم مساویانہ ہوگی۔ طبقات کا تفاوت کم ہوگا۔ ہر شخص کو بآسانی رزق ملے گا کسی شخص کا استحصال نہیں ہوگا' رشوت کا نام ونشان نہیں ہوگا۔ مسلمانوں کی

سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ خلافت راشدہ کے بعد سے کوئی اسلامی ریاست وجود میں نہیں آئی تھی۔ اسلامی ریاست کا کوئی ماڈل ان کے سامنے نہیں تھا۔ لیکن ان سب خامیوں کے باوجود مسلمانوں کی یہ ایک بہت بڑی خوش فہمی تھی کہ تحریک طلوع اسلام شروع ہو چکی تھی۔ قائداعظمؒ نہ صرف اس تحریک سے بخوبی واقف تھے بلکہ وہ اِس سے حتی الامکاں فائدہ اٹھا رہے تھے۔ ان کا ایک ایک منٹ قیمتی تھا۔ جو سوالات قائداعظمؒ کو پیش آتے تھے اور جہاں ان کی سوچ رُک جاتی تھی' وہ سوالات قائداعظمؒ اس تحریک کے سپرد کرتے تھے اور یہ تحریک ان کے جواب مہیا کرتی تھی۔ قائداعظمؒ کے سوالات اس تحریک کے لئے مزید کشاد کی راہ مہیا کرتے چلے جاتے تھے' اور یہ تحریک وقت سے آگے آگے چلتی رہی۔ قائداعظمؒ کے بیانات میں جو بظاہر تضاد دکھائی دیتا ہے اِس کی بھی یہی وجہ ہے۔ جب وہ تھیوکریسی پر غور کرتے تھے تو وہ اس کی مذمت کرتے تھے' لیکن جب ان کی نگاہ تحریک طلوع اسلام کی پیش کردہ ریاست پر پڑتی تھی تو وہ خالص قرآنی مملکت کی تعریف کرنے لگتے تھے۔

مسلمانوں کی بدقسمتی کہ قائداعظمؒ کی عمر نے وفا نہ کی۔ مسلمانوں کی یہ بدقسمتی رہی کہ جب بھی کوئی قرآنی مفکر پیدا ہوا' اس کو خدمت کا موقع نہ ملا۔ اگر حضرت عمرؓ کو چند سال اور مل جاتے تو دنیا کا نقشہ ہی آج اور ہوتا۔ قائداعظمؒ کے جو بیانات سیکولر حضرات پیش کرتے ہیں جن میں انہوں نے تھیوکریسی کی مذمت کی ہے اس کے مقابلہ میں آپ قائداعظمؒ کا یہ بیان ملاحظہ فرمائیں جو خالص تحریک طلوع اسلام کے نظریات کا حامل ہے۔ اور جس میں قانون کا ماخذ صرف قرآن قرار دیا گیا ہے:۔

قائداعظمؒ کا بیان

اب ہم ترتیب وار چاروں فریق کے متعلق گفتگو شروع کرتے ہیں۔

پہلا فریق وہ ہے جو ہمارے سیکولر حضرات جناب نجم سیٹھی جیسے دانشوروں پر مشتمل ہے۔ یہ دین کے قائم کرنے کو ضروری خیال نہیں کرتے اُنہیں میں نیشنلسٹ' روایاتی علماء بھی شامل ہیں۔ ان دونوں طبقات کے سامنے ہم یہ بات ثابت کریں گے کہ اسلامی مملکت کا قائم کرنا نہایت اہم ہے اور ہر مسلمان پر اس کا قائم کرنا فرض ہے۔

(1) اگر قرآنی نظام قائم کرنا فرض نہ ہوتا' تو رسول اللہ نے اس درجہ مشکلات وصعوبات برداشت کر کے یہ نظام کیوں قائم کیا' مشرکین مکہ حضور ﷺ کو پرستش کی رسوم کو ادا کرنے سے منع نہیں کرتے تھے' ان کا اس پرستش کی تبدیلی میں کوئی حرج نہیں تھا۔ اصل جھگڑا ہی نظام کا تھا۔ حضور ﷺ نے مشرکین مکہ سے 82 لڑائیاں لڑیں لیکن حضور اپنے مشن سے باز نہیں آئے۔ اگر اسلامی حکومت کا قائم کرنا حضور پر فرض نہیں تھا تو کیا حضور نے اپنے فرائض منصبی سے تجاوز کیا۔ ریاست کا قائم کرنا حضور کے فرائض منصبی میں شامل تھا۔

(2) قرآن کے نزدیک غیر اسلامی نظام میں زندگی بسر کرنا جرم ہے (6:23) جب مدینہ میں پہلی اسلامی مملکت قائم ہوگئی تو مکہ کے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ فوراً مدینہ ہجرت کر جائیں اور مکہ کے مسلمانوں سے کوئی تعلق نہ رکھیں جب تک کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ نہ

آجائیں۔

(3) قرآن میں ارشاد ہوتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ (16:90) اللہ حکم دیتا ہے کہ تم عدل وانصاف سے کام کرو۔ ہمیشہ عدل وانصاف سے کام لینے کا حکم قرآن کریم میں اور دیگر مقامات پر بھی آیا ہے۔ یہ بات ایک معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ عدل وانصاف سے کام لینے کا حکم دے رہا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ عدل وانصاف پر مبنی قوانین بھی انسانیت کو عطا کرے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ عدل کا حکم کرے اور عدل پر مبنی قانون نہ دے۔ کیا اللہ تعالیٰ کی یہ مراد ہوسکتی ہے کہ بھارت کے قوانین کے مطابق عدل کرو یا برطانیہ کے قوانین کے مطابق عدل کرو۔ برطانیہ میں تو ہم جنس پرستی اور سود جیسے قوانین جائز ہیں جو سراسر ظلم پر مبنی ہے۔ اس آیت کا واضح مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین جاری کرو اور اس ریاست میں اللہ کے قوانین کے مطاق عدل کرو۔

(4) ارشاد عالی ہے کہ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ (5:48) اللہ نے جو نازل کیا اس کے مطابق فیصلے کرو۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے اسلامی مملکت میں ہوسکتے ہیں۔ غیر اسلامی مملکت میں اللہ کے احکامات جاری نہیں ہوسکتے۔

(5) قرآن میں ارشاد ہوا کہ جو قوم بھی ایمان لائے گی اور قرآن کے مطابق اعمال کرے گی اللہ اس کو ضرور اقتدار دے گا۔ ایمان اور اعمالِ صالحہ کا لازمی نتیجہ اسلامی ریاست کا قیام ہے۔ مسلمان تو غیر مسلم معاشرہ میں کمزور ومحکوم ہوکر رہ ہی نہیں سکتا۔

مو منے بالائے ہر بالا ترے
غیرتِ او بر نہ تابد ہم سَرے

(6) حضور ﷺ کو حکم الٰہی ہوا قُلۡ اٰمَنۡتُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنۡ کِتٰبٍ ۚ وَاُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَیۡنَکُمۡ (42:15) کہہ دو کہ اللہ نے جو ضابطہ دیا ہے میں اس پر ایمان لایا اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں (اس) ضابطہ کے مطابق عدل کروں۔ کتاب کے ساتھ عدل کرنے کے معنے یہی ہیں کہ اس کتاب کے مطابق عدل کرو۔ اور سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ قرآن نے عدل کی تعریف Definition یہ کہہ کر دی ہے وَمِمَّنۡ خَلَقۡنَاۤ اُمَّۃٌ یَّہۡدُوۡنَ بِالۡحَقِّ وَبِہٖ یَعۡدِلُوۡنَ (7:181) خدا کی کتاب کے مطابق فیصلہ ہے تو وہ عدل ہے اگر کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ تو وہ عدل نہیں ہے۔ اس آیت نے عدل کی تعریف کرکے بالکل واضح کردیا کہ قرآن کے علاوہ اور کوئی قانون عدل پر مبنی نہیں ہوتا۔

(7) ارشاد ہوتا ہے اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّہُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاکَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِہٖ (4:60) کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا کہ جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ قرآن اور کتب سابقہ پر ایمان لائے ہیں لیکن چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کے فیصلے انسانوں کے خودساختہ قانون کی رُو سے کرائیں۔ حالانکہ ان کو حکم یہ دیا گیا تھا کہ قرآن پر ایمان لانے کے بعد ہر غیر خدائی قانون سے انکار کردیا جائے۔ انسانوں کے وضع کردہ قوانین پر جو معاشرہ متشکل ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کو طاغوت کے نام پکارا ہے اور طاغوت میں زندگی بسر کرنا بالکل جرم قرار دیا ہے۔

(8) سورۃ شوریٰ میں کئی انبیاء کرام اور خصوصاً حضرت نوح، ابراہیم، موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کے اسمائے گرامی دینے کے بعد ارشاد عالی ہوتا ہے کہ تمہیں بھی یہ حکم ہے کہ تم دین کو قائم کرو اور اس میں فرقہ بندی نہ کرو۔ دین کا قائم کرنا تمام انبیاء کرام پر واجب تھا 42:13۔ اور ختم نبوت کے بعد دین کا قائم کرنا ہم سب مسلمانوں پر واجب ہے 35:32۔ اقامت دین سے قرآن کا منشا کیا ہے۔ اس کی وضاحت مولانا مودودی مرحوم نے اِس آیت کے ذیل میں خوب کھول کر دی جو غور کرنے کے قابل ہے۔ انہوں نے تحریر فرمایا ''قرآن مجید کو جو شخص بھی آنکھیں کھول کر پڑھے گا، اُسے یہ بات صاف نظر آنے لگے گی کہ یہ کتاب اپنے ماننے والوں کو کفر اور کفار کی رعیت فرض کر کے مغلوبانہ حیثیت میں زندگی بسر کرنے کا پروگرام نہیں دے رہی ہے بلکہ یہ اعلانیہ اپنی حکومت قائم کرنا چاہتی ہے۔ اپنے پیروؤں سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ وہ دین حق کو فکری، اخلاقی، تہذیبی اور قانونی و سیاسی حیثیت سے غالب کرنے کے لئے جان لڑا دیں اور ان کی انسانی زندگی کی اصلاح کا وہ پروگرام دیتی ہے جس کے بہت بڑے حصہ پر صرف اسی صورت میں عمل کیا جا سکتا ہے جب حکومت کا اقتدار اہل ایمان کے ہاتھ میں ہو۔ یہ کتاب اپنے نازل کئے جانے کا مقصد یہ بیان کرتی ہے کہ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (4:105) اے نبی ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تم پر نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کر سکو اس روشنی میں جو اللہ نے تمہیں دکھائی ہے' اس کتاب میں زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کے جو احکامات دیئے گئے ہیں وہ صریحاً اپنے پیچھے ایک ایسی حکومت کا تصور رکھتے ہیں جو ایک مقرر قاعدے کے مطابق زکوٰۃ کو وصول کرنے اور مستحقین تک پہنچانے کا ذمہ لے 9:60۔ اس کتاب میں سود کو بند کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اور سود خواری جاری رکھنے والوں کے خلاف جو اعلان جنگ کیا گیا 2:275 وہ اسی صورت میں روبعمل آ سکتا ہے جب ملک کا سیاسی اور معاشی نظام پوری طرح اہل ایمان کے ہاتھ میں ہو۔ اس کتاب میں قاتل سے قصاص لینے کا حکم ہے 2:178۔ چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم 5:38، زنا اور قذف پر حد جاری کرنے کا حکم 4:2، اس مفروضہ پر نہیں دیا گیا ہے کہ ان احکام کے ماننے والے لوگوں کو کفار کی پولیس اور عدالتوں کے ماتحت رہنا ہوگا۔ اس کتاب میں کفار سے قتال کا حکم 2:190، یہ سمجھتے ہوئے نہیں دیا گیا ہے کہ اس دین کے پیرو کفر کی حکومت میں فوج بھرتی کر کے، اس حکم کی تعمیل کریں گے۔ اِس کتاب میں اہل کتاب سے جزیہ کا حکم 9:29 اس مفروضے پر نہیں دیا گیا کہ مسلمان کافروں کی رعایا ہوتے ہوئے ان سے جزیہ وصول کریں گے۔ اور ان کی حفاظت کا ذمہ لیں گے اور یہ معاملہ مدنی سورتوں تک ہی محدود نہیں ہے۔ مکی سورتوں میں بھی دیدۂ بینا کو علانیہ یہ نظر آ سکتا ہے کہ ابتداء ہی سے جو نقشہ پیش نظر تھا وہ دین کے غلبہ و اقتدار کا تھا نہ کہ کفر کی حکومت کے تحت دین اور اہل دین کے ''ذمی بن کے رہنے کا'' جلد چہارم صفحہ 487۔

(9) سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (5:45) جو ما انزل اللہ کے مطابق فیصلے نہ کرے وہ ظالم بھی ہے اور فاسق بھی ہے۔ ان تینوں آیات میں قرآن نے کفر اور ایمان کو واضح کر کے رکھ دیا ہے جو شخص بھی قرآن کے علاوہ انسان کے بنائے ہوئے قانون کو صحیح اور درست سمجھتا ہے وہ کافر، ظالم اور فاسق ہے۔

(10) ارشاد عالی ہے وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (3:85) اور جو کوئی بھی اسلام کے علاوہ کوئی ضابطۂ حیات چاہتا ہے، سو اللہ کے ہاں وہ ضابطہ حیات کبھی قبول نہیں، اور وہ انجام کار نقصان میں رہے گا۔

اسلامی مملکت کو قائم کرنے کی فرضیت اور اس کے وجود کے ہم نے دس دلائل دیئے ہیں۔ ان میں سے چند عقلی ہیں اور چند قرآنی آیات کے احکامات۔ مغربی علوم کے ماہرین اور دانشور حضرات، خصوصاً جناب نجم سیٹھی صاحب سے ہماری گذارش ہے کہ وہ ان دلائل کو ملاحظہ فرمالیں۔ بحث کا نقطہ ماسکہ یہ ہے کہ کیا انسانوں کو قانون سازی کا حق حاصل ہے یا نہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں کیا انسان کی حکومت انسان پر جائز ہے یا نہیں۔

یہاں تک ان مغربی علوم کے ماہرین اور دانشور حضرات کا ذکر تھا، جو اسلامی مملکت کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن پاکستان میں زیادہ طبقہ ان لوگوں کا ہے جو مذہب کے پیروکار ہیں اور مذہب کی تجویز کردہ پرستش کی رسومات پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ اور اِس کے ساتھ ساتھ اسلامی مملکت کے قیام کے بھی خواہاں ہیں۔ یہ حضرات پرستش کو ہی اطاعت خداوندی سمجھتے ہیں حالانکہ پرستش اطاعت خداوندی نہیں ہوتی۔ پرستش میں اللہ تعالیٰ سے براہِ راست تعلق قائم کرنا سمجھا جاتا ہے، لیکن قرآن کی رُو سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت براہِ راست نہیں ہوسکتی بلکہ اللہ کی اطاعت اس کے نظام کی معرفت ہوتی ہے، جو قرآن نے عطا کیا ہے۔ مسلمان چونکہ اللہ کی اطاعت کو پرستش کے ذریعے براہِ راست کرنے کے قائل ہوگئے ہیں۔ اس لئے اسلامی نظام کے قیام کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی اور اس لئے اسلامی نظام قائم نہیں ہوتا۔ جب تک پرستش کے ذریعے اللہ کی اطاعت کا تصور باقی رہے گا، اسلامی نظام قائم نہیں ہوسکتا۔

سابقہ ادوار میں انسانوں کی قائم کردہ سٹیٹ کی کوئی اساس نہیں ہوتی تھی، جس کے پاس قوت ہوتی تھی، وہ تلوار کے زور پر اپنی ریاست قائم کر لیتا تھا۔ البتہ موجود دور میں کمیونسٹوں نے سٹیٹ کی بنیاد Dialectical System اور Historical Necessity کو قرار دیا جس میں آدمی مجبورِ محض ہوتا ہے، نہ انسانوں کی کوششوں سے کوئی نظام قائم ہوسکتا ہے اور نہ ختم ہوسکتا ہے۔

قرآن کریم نے اسلامی مملکت کی بنیاد انسانی ذات کو قرار دیا ہے۔ انسانی زندگی کا یہ تصور کہ انسان صرف جسم کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اِس میں جسم کے علاوہ ایک اور شئے بھی ہے، وہ بنیاد ہے جس پر اسلامی مملکت کی ساری عمارت قائم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ذات کی صورت میں جو توانائی عنایت فرمائی ہے۔ اس انسانی ذات میں اللہ تعالیٰ کی صفات مضمر صورت میں موجود ہوتی ہیں۔ انسان کی زندگی کا مقصد ان صفات خداوندی کو اپنے میں منعکس کرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عادل ہے تو ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ عدالت کی صفت کو اپنے میں منعکس کرے۔ اللہ تعالیٰ رب ہے اور ہر شہری کا یہ فرض ہے کہ وہ دوسرے شہریوں کی ربوبیت کا کام سرانجام دے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اس لئے اسلامی مملکت کے تمام لوگ عقلمندی اور دانائی کے پیکر ہونے چاہئیں۔ یہ صفات خداوندی انسانوں میں جس قدر فروغ پائیں گی، اتنا ہی قرب خداوندی حاصل ہوگا۔ انسانوں کے علاوہ اسلامی مملکت میں بھی ان صفات عالیہ کو فروغ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ عادل ہے اس لئے اسلامی مملکت کی بنیاد عدل پر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سمیع ہے۔ اسلامی مملکت کا فرض ہے کہ وہ مملکت کی خبر اپنے

سامنے رکھے۔ اسلامی مملکت خود اپنی ذات میں اور اس کے تمام شہری صفات خداوندی کے پیکر ہوں اور مملکت اور شہریوں کے مفادات بالکل ایک ہی ہوں گے۔ اس طرح جو مملکت وجود میں آئے گی، وہ جنت نظیر معاشرہ ہوگا اور تمام شہریوں کی خدائی صفات خوب برومند ہوں گی۔ رسولؐ اللہ کے فرائض میں یہ بات شامل تھی کہ رسول اپنی مملکت کے تمام شہریوں کا تزکیہ کرتا ہے وَيُزَكِّيهِمْ (2:15)۔ اِس سے یہی مراد ہے رسول تمام انسانوں کی خوابیدہ صلاحیتوں کی پوری پوری نشوونما کرتا ہے، اسلامی مملکت کے تمام شہریوں کی صلاحیتوں کی نشوونما رسول فرداً فرداً نہیں کرتا، بلکہ رسول وہ معاشرہ قائم کرتا ہے کہ جس معاشرہ میں انسانی صلاحیتوں کی ازخود نشوونما ہوتی چلی جاتی ہے۔

قرآن کی رُو سے مملکت مقصود بالذات نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک بلند مقصد حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ وہ بلند مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس معاشرہ میں عملی صورت اختیار کر کے جاری وساری ہوں۔ اسی سے افراد کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی ہے اور انسانیت بہ حیثیت مجموعی ترقی کرتی چلتی ہے۔

اسلامی مملکت کا مقصد ایک ایسے اجتماعی نظام کا قیام ہے جس میں ساری انسانیت کی صلاحیتوں کی پوری پوری نشوونما ہوتی ہے صفاتِ خداوندی ہی کا دوسرا نام مستقل اقدار ہے۔ اس مملکت میں مستقل اقدار کی اطاعت ہوتی ہے۔ اس میں نہ پرستش کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ ہی کسی چرچ کی۔

☆.....☆.....☆

ENJOY YOUR STAY AT
HOTEL PARKWAY (PVT.) LTD.
NEAR RAILWAY STATION LAHORE



ALL COMFORTS AVAILABLE

- T.V. & FAX
- AIR-CONDITIONED
- TELEPHONE EXCHANGE
- CAR PARKING
- LIFT, INTERNET
- EXCELLENT SERVICE

PH:0092-42-36365908-12, FAX: 0092-42-36311923,
E-mail:hotel_parkway@yahoo.com

راجہ عبدالعزیز (دھیرکوٹ' آزاد کشمیر)

اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

The Orbits of Heavenly Bodies

قرآنِ کریم کے مطابق انسانی بچہ جب دنیا میں آتا ہے تو اسے کسی بات کا کچھ علم نہیں ہوتا۔ اسے ہر بات کو سیکھنا پڑتا ہے۔ اور حصولِ علم کے لئے اللہ تعالیٰ نے حواس (ذرائع معلومات) اور پھر حواس سے حاصل کردہ معلومات کی بنا پر نتائج اخذ کرنے کا ملکہ (Mind) اسے عطا کیا ہے تاکہ وہ بتدریج اپنی ممکنات (Potentialities) کو مشہود (Actualised) کر سکے 16:78۔

ماہرین نفسیات بھی کئی اختلافات کے باوجود اس بات پر تقریباً متفق ہیں کہ پیدائش کے وقت انسانی بچہ صرف چند غیر شعوری انعکاسی افعال (Reflex actions) لے کر پیدا ہوتا ہے۔ برگسان کا "Elan Vital" (تخلیقی ارتقاء ہو) یا فرائڈ کا ایروس (Eros) یا ڈاکٹر یونگ کا اجتماعی لاشعور' یہ تمام نوزائیدہ بچے کی سائیکی میں محض نقوش اور ممکنات کی صورت میں ہوتے ہیں۔ لیکن جلد ہی حواس کے ذریعے ماحول کے ساتھ تعامل کی وجہ سے بے شمار شعوری افعال سیکھ جاتا ہے بچہ۔ گویا اس عمر میں اس کی سوچ کا ذریعہ اس کی جسمانی حرکات ہوتی ہیں۔ بعد میں وہ فہم (عقل) و حواس کے مشترکہ عمل سے بتدریج حصول علم کا سلسلہ تمام عمر جاری رکھتا ہے۔ مندرجہ بالا آیت 16:78 سے ایک اور غلط' بے سند بلکہ گمراہ کن عقیدے کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ حق و باطل' غلط و صحیح یا خیر و شر کا علم انسان کے اندر ودیعت کر دیا گیا ہے یعنی یہ معروضی نہیں ہے۔

انسانی اکتسابی علم ارتقائی مراحل طے کر رہا ہے۔ اور انسان زندگی کے مختلف شعبہ جات میں بتدریج خوب سے خوب تر کی تلاش میں تحقیق و تفتیش' غور و تدبر اور تجزیات و تجربات میں مصروف ہے۔ ان میں کائناتی علم بھی شامل ہے۔ قرآن پاک میں براہِ راست انسان کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ کا ارشاد ہے۔ ''اے گروہِ جنات و انسان اگر تم میں زمین و آسمانوں کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت ہے تو نکل بھاگو! بغیر غلبہ اور طاقت کے تم نہیں نکل سکتے''۔ 55:33۔ ''تم پر آگ کے شعلے چھوڑیں جائیں گے' 55:35 (ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی مرحوم) میرے خیال میں ان آیات کا تعلق پوری کائنات سے باہر نکلنے سے نہیں کیونکہ جس طرح زمین کا کوئی ایسا کنارہ نہیں جہاں سے آگے پاؤں رکھا جائے اسی طرح کائنات کا بھی کوئی ایسا کنارہ نہیں جہاں سے انسان باہر نکل سکے۔ اگر آپ زمین کا پورا چکر لگانے کے لئے پاکستان سے جس سمت بھی پرواز کریں گے تو واپس پاکستان ہی آ جائیں گے۔ اسی طرح اگر آپ

زمین کے مدار سے نکل جائیں یا سورج کے مدار یا کہکشاؤں کے مداروں سے بھی باہر نکل جائیں تب بھی کائنات سے باہر نہیں جائیں گے بلکہ گھوم پھر کر واپس اسی کرہ ارض پر آ جائیں گے۔ اس لئے کائنات سے باہر نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا اِلَّا بِسُلْطٰنٍ اور آگ کے شعلوں اور دھوئیں کے ذِکر سے صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ ان آیات مبارکہ کا تعلق اجرام فلکی کے مداروں سے ہے' ان کے مداروں سے نکلنے کے لئے سائنسی علوم خصوصاً علم فلکیات (Astronomy) اور ٹیکنالوجی وغیرہ کی تخلیق اور استعمال میں اعلیٰ درجے کی مہارت لازمی ہے۔ اس مہارت کے بغیر مداروں سے نکلنا یا داخل ہونا ناممکن ہے اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۔ اور اگر ایسا کرنے کی کوشش کی تو آگ کے شعلے استقبال کریں گے۔ لہٰذا اس لحاظ سے ان آیاتِ مبارکہ کا تعلق آیات متشابہات سے تھا۔ لیکن 12 اپریل 1957ء کے بعد یہ آیات محکمات کے زمرہ میں آ گئی ہیں۔ جب ایک روسی خلا باز یوری گگارین نے خلا (Space) میں پہلی بار پرواز کرتے ہوئے نہ صرف ایک ہی دن میں طلوع سحر کا دو دفعہ نظارہ کیا بلکہ 12 اپریل سے ایک بار پھر 11 اپریل میں بھی واپس چلا گیا تھا۔ کائنات کے انہی قوانین کو اللہ تعالیٰ نے اپنے معجزات قرار دیا ہے 2:164۔ اس کے تقریباً بائیس سال بعد 19 جولائی 1979ء کے دن ایک امریکی خلا باز (Cosmonaut) نیل آرمسٹرانگ نے چاند پر پہلا انسانی قدم رکھا تھا۔ گذشتہ سال ناسا (Nasa) کی ہی بھیجی ہوئی خلائی گاڑی 'Curiosity' نے سرخ سیارے مریخ (Mars) پر قدم رنجہ فرمایا تھا۔ اور اب 'B.B.C' کی ایک رپورٹ میں بریکنگ نیوز کی صورت میں یہ خبر نشر ہوئی ہے کہ ناسا کا ہی ایک خلائی جہاز ووئجر ۔1 'انسانی ہاتھوں کی بنائی ہوئی پہلی چیز ہے جو ہمارے نظامِ شمسی سے باہر نکل گئی ہے۔ اور اب وہ ستاروں کے درمیان خلا میں گھوم رہی ہے۔ ووئجر ۔1 کو 1977ء میں ابتدائی طور پر نظام شمسی کے دیگر سیاروں کے مطالعے کے لئے بھیجا گیا تھا لیکن یہ آگے ہی چلتا گیا اور تاریخ میں پہلی مرتبہ نظام شمسی سے باہر کا سفر ممکن ہو سکا۔ یہ جہاز 25 اگست 2013ء کو نظام شمسی کے مدار سے باہر نکلا ہے۔ آج یہ جہاز زمین سے تقریباً 19 ارب کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور اس کے بھیجے ہوئے سگنلز کو زمین پر لگے ہوئے ریسیور تک پہنچنے میں 17 گھنٹے لگتے ہیں۔ اس مشن کے سربراہ سائنسدان مسٹر ایڈسٹون کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ ایک سنگ میل ہے جس کی ہم نے چالیس سال پہلے امید کی تھی۔ ان کا کہنا ہے کہ جس طرح انسان نے پہلی بار چاند پر قدم رکھا تھا اسی طرح پہلی دفعہ ہم نے ستاروں کے درمیان خلا کو دریافت کرنا شروع کر دیا ہے۔ ووئجر ۔1 چالیس ہزار سال تک کسی دوسرے سیارہ تک نہیں پہنچے گا حالانکہ یہ 45 کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کر رہا ہے۔ ایڈسٹون کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ جہاز ہماری کہکشاں کے مرکز کے درمیان اربوں سال تک گھومتا رہے گا۔ ووئجر ۔1 کے متعلق ان تمام معلومات کو سائنس نامی جریدے میں شائع بھی کیا گیا تھا اور ہمارے ہاں روزنامہ ایکسپریس نے اسے شائع کیا ہے۔

☆.....☆.....☆

اشرف خان بھی ہم سے جدا ہو گئے

بزمِ طلوع اسلام ڈنمارک کے نمائندہ محترم اشرف خان بھی انتقال فرما گئے۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور جب سے ظفر اے خان صاحب ڈنمارک سے پاکستان منتقل ہوئے ہیں اشرف خان صاحب بزم کی ذمہ داریاں پوری تن دہی سے سرانجام دے رہے تھے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو کروٹ کروٹ جنت عطا کرے اور لواحقین کو صبر جمیل۔

ادارہ طلوعِ اسلام محترم ظفر اے خان، محترم عالمگیر خان اور بزم ڈنمارک کے تمام رفقاء کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

محمد اکرم راٹھور

قائم مقام چیئرمین

ادارہ طلوع اسلام، لاہور

☆.....☆.....☆

تعزیتی پیغام

آج طلوع اسلام ٹرسٹ کی طرف سے پوسٹ کردہ ای میل کے ذریعے بزم طلوع اسلام ڈنمارک کے محترم اشرف خان صاحب کے اس دار فانی سے انتقال فرمانے کی دل خراش خبر سے آگاہی ہوئی۔ انتہائی دکھ و افسوس ہوا کیونکہ مرحوم و مغفور کی جدائی تحریک طلوع اسلام کیلئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں بلند مقام عطاء فرمائیں۔ اور ورثاء کو صبر جمیل عطاء فرمائیں۔ مرحوم و مغفور کی قرآن فہمی، پیغام قرآن کو عام کرنے کی تڑپ، علمی و ادبی ذوق حلقہ قرآنی میں ہمیشہ یاد رکھا جائیگا۔ قرآن کریم میں ایسے افراد کے متعلق ارشاد ربانی ہے کہ اس شخص کی بات سے زیادہ حسین اور جاذب بات اور کس کی ہوسکتی ہے جو لوگوں کو قانون خداوندی کی طرف دعوت دیتا ہے اور خدا کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اور اس طرح اپنی عملی زندگی سے ثابت کر دیتا ہے کہ وہ ان میں سے ہے جو قانون خداوندی کے اطاعت گزار ہیں 41/33۔ ویسے تو قرآنی فکر سے وابستہ تمام رفقاء تحریک طلوع اسلام کیلئے ایک متاع گراں بہا ہیں لیکن بعض احباب تحریک کیلئے ریڑھ کی ہڈی کے مانند ہوتے ہیں۔ مرحوم کا تعلق بھی اسی زمرہ میں آتا ہے۔ زندگی ایک جوئے رواں ہے بقاء دوام یہاں کسی کو نہیں۔ ہم سب نے جانا ہے مگر مرحوم ایک لحاظ سے خوش

قسمت تھے کہ پوری تیاری کے بعد گئے اور آخرت کیلئے کافی توشہ اپنے ساتھ لیکر گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آخرت کیلئے کچھ کرنے کے مواقع اور صلاحیت عطاء فرمائے۔ بزمہائے طلوع اسلام سوات کے جملہ نمائندگان اور تمام ارکین محترم اشرف خان صاحب مرحوم کی مغفرت و بلندی درجات کے لئے اور مرحوم کے لواحقین کو صبر جمیل عطاء کرنے کیلئے بدرگاہ رب العزت دست بدعا ہیں۔ ضلع سوات کی تینوں بزموں کے نمائندگان اور جملہ اراکین، سوگواروں خصوصاً ان کے بیٹے عالمگیر خان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

غم گسار

خورشید انور

نمائندہ بزم طلوع اسلام (مینگورہ)

وائس چیرمین ادارہ طلوع اسلام

☆.....☆.....☆

اظہارِ تعزیت

آہ اشرف خان بھی ہم سے جدا ہو گئے۔ موصوف کی طلوع اسلام کے لئے خدمات ان گنت تھیں۔

خان صاحب سے میری ملاقات برسوں پہلے ڈنمارک میں ہوئی تھی، وہ ایک اچھے انسان تھے اور فکر قرآنی کے سلسلہ میں پرخلوص اور سرگرم عمل تھے۔ اشرف خان صاحب ایک چلتی پھرتی بزم تھے۔ کسی کو کوئی کتاب، پمفلٹ یا کیسٹ درکار ہوتی تو وہ بذاتِ خود حاضر ہو کر چیزیں مہیا کر کے خوشی محسوس کرتے اور اسے اپنی ذمہ داری سمجھتے۔ ایک دو ماہ قبل اچانک اُن کا فون آیا۔ بڑی خوشی ہوئی۔ خیریت کے بعد استفسار کیا کہ کیسے یاد فرمایا، کہنے لگے میں نے سنا ہے کہ آپ فکر قرآنی کے لئے بہت کام کر رہے ہیں۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے اس لئے دل چاہا کہ آپ سے بات کروں۔ میں نے انہیں بتایا کہ قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی ناروے نے بہت ہی کم عرصے میں مفہوم القرآن کا ناروجین میں ترجمہ مکمل کر کے اسے اپنی ویب سائٹ پر رکھا ہے اور بہت سے پمفلٹ بھی ناروجین زبان میں اس ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بابا جی کی لغات القرآن کو انگلش میں منتقل کرنے کا کام بھی مکمل ہونے کو ہے۔ یہ خبر سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے ہماری بہت حوصلہ افزائی کی۔

میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرے اور لواحقین کو صبر و تحمل کی توفیق عطا فرمائے۔ قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی اوسلو، لواحقین اور بزم ڈنمارک کے غم میں برابر کی شریک ہے۔

دعا گو!

خادم ملک

چیئرمین قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی ناروے

☆.....☆.....☆

محترم نمائندگانِ بزم وقارئینِ طلوع اسلام

یاددہانی کے لئے عرض گذار ہیں کہ آپ اپنے اور جن احباب کے نام رسالہ طلوعِ اسلام برائے سال 2014ء جاری رکھنا چاہتے ہیں اِدارہ کو مورخہ 15 دسمبر 2013ء تک مطلع فرمادیں۔ تاکہ سال 2014ء کے لئے ماہنامہ طلوعِ اسلام کا اجراء کردیا جائے۔ جو میگزین بند کرانا چاہتے ہیں ان کی تفصیل سے بھی بروقت آگاہ فرمادیں۔ (ادارہ طلوع اسلام)

☆.....☆.....☆

اطلاع عام

باغبان ایسوسی ایشن کے ممبران خواتین وحضرات کو مطلع کیا جاتا ہے کہ باغبان ایسوسی ایشن کی سالانہ ممبرشپ دو روپے (-/2 روپے) ختم کردی گئی ہے اب 1-1-2014 سے صرف تاحیات ممبرشپ باقی رہے گی جو کہ -/200 روپے ہوگی سالانہ ممبرشپ صرف مقامی ''بزمِ باغبان'' کا حق ہوگا۔ جو ممبران مشورہ سے مقرر کریں گے۔

ملک حنیف وجدانی صدر باغبان ایسوسی ایشن، سنبل سیّداں، نیومری

عطاء الحق قاسمی

ایسی جنت کو کیا کرے؟

میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ جنت کیسی ہوگی؟ ہر دفعہ عجیب وغریب نقشے میرے ذہن میں آتے ہیں' اسی طرح کبھی خیال آتا ہے کہ اگر مجھے جنت میں داخلہ مل گیا تو میری زندگی وہاں کس طرح کی ہوگی اور پھر اس حوالے سے کئی باتیں ذہن میں آنے لگتی ہیں' مثلاً میں سوچتا ہوں میرا یاقوت کا محل ہوگا' میری خواب گاہ بھی سیمنٹ اور ریت کی بجائے قیمتی ہیرے اور موتیوں سے بنی ہوگی۔ اس کے پردے ایسے ہوں گے اور فرنیچر ویسا ہوگا' صبح شہد کی نہر کے کنارے ایک توس پر تھوڑا سا شہد لگاؤں گا اور دودھ کی نہر میں سے ایک کپ دودھ لے کر ناشتہ کروں گا۔ دو چار حوریں میری ٹانگیں دبا رہی ہوں گی' مگر ساتھ خیال آتا ہے کہ جنت میں ٹانگوں میں درد تو ہوتی نہیں لہٰذا یہ کام ان سے لینے کا کیا تک ہے؟ ویسے بھی یہ حوریں اربوں کھربوں سال عمر کی ہوں گی پتہ نہیں اس عمر کی حوروں سے کسی بھی قسم کی کوئی خدمت لی جا سکے گی کہ نہیں؟ تو چلو پھر غلمان پنکھا جھل رہے ہوں گے' مگر پھر میں نے سوچا جنت میں کون سی گرمی ہوتی ہے کہ وہ پنکھا جھلیں گے' چنانچہ مجھے ان کا کوئی مصرف سمجھ نہیں آیا' یکدم خوش کن خیال یہ آیا کہ علی الصبح اٹھ کر پہلے نماز پڑھوں گا' پھر دودھ اور شہد کی نہروں کے کنارے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سیر کروں گا تاکہ صحت ٹھیک رہے مگر مجھے اپنے اس خیال پر خود ہی ہنسی آ گئی' بھلا جنت میں صحت کی برقراری کے لئے سیر کی کیا ضرورت ہے۔ وہاں تو نہ بیماری ہے' نہ موت ہے' نہ بڑھاپا' صرف جوانی ہی جوانی ہے۔ ان سوچوں کے دوران اچانک ایک خیال نے مجھے پریشان کر دیا کہ میں صبح سے رات تک کا وقت گزاروں گا کیسے؟ نہ وہاں حلقہ ارباب نقاد' نہ وہاں کوئی اخبار نکلتا ہے' نہ وہاں تعلیمی ادارے ہیں اور میرے تینوں شوق ادبی محفلیں' کالم نگاری و تدریس تو انہی سے وابستہ ہیں' پھر میں نے سوچا صبح سے رات گئے تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں گا مگر اس کام پر تو فرشتے مامور ہیں جو ازل سے خدا کی حمد وثناء میں مشغول ہیں۔ جنت میں طرح طرح کے کھانے ہوں گے' انواع واقسام کے پھل اور میوے ہوں گے' مگر اس سے بھی میری تسلی نہیں ہوئی کیونکہ سارا دن کھاتے رہنے سے تو وقت نہیں گزر سکتا' چنانچہ بالآخر میں نے یہ معاملہ اللہ تعالیٰ پہ چھوڑ دیا کہ صرف وہی جانتا ہے جنت کیسی ہوگی اور جنتیوں کے مشاغل کیا ہوں گے؟

جنت کے بعد میرا دھیان جہنم کی طرف گیا اور میں نے سوچا اگر خدانخواستہ مجھے میرے اعمال کی وجہ سے جہنم میں بھیج دیا گیا تو میرا کیا بنے گا؟ یہ سوچ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ وہاں بار بار دہکتے ہوئے الاؤ میں پھینکا جائیگا' پیاس لگنے پر پانی کی جگہ پیپ

پلائی جائے گی' فرشتوں نے کاندھوں پر بڑے بڑے گرز رکھے ہوں گے اور وہ دوزخیوں کو مار مار کر ان کا بھرکس نکال دیں گے مگر پھر یہ سوچ کر تسکین ہوئی کہ دنیا میں جن لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا' ان کے چہروں پر ریاکاری کے پردے پڑے ہوئے تھے' وہ تھے کچھ اور ظاہر کچھ اور کرتے تھے اور یوں ہم ان کے ظاہر سے دھوکا کھا گئے چنانچہ جب جہنم میں ان سے ملاقات ہوگی تو ان کے اصلی چہرے سامنے ہوں گے اور میں ان سے پوچھوں گا کہ تم نے ہمارے ساتھ دھوکا کیوں کیا؟ یہاں علمائے سُو ہوں گے' انصاف کا خون کرنے والے جج صاحبان ہوں گے' ظلم وزیادتی اور آئینی حدود سے تجاوز کرنے والے صاحبان اقتدار ہوں گے' برصغیر کے مسلمانوں کی عظیم پناہ گاہ پاکستان کے خلاف سازشیں کرنے والے اور اسے ذلت سے دوچار کرنے والے سیاستدان اور جرنیل ہوں گے' میں ان سب سے پوچھوں گا کہ پاکستانی مسلمانوں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا جو تم ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاتے رہے اور ان کے لئے ان کی زندگی ہی جہنم بنادی؟ مگر پھر میں نے سوچا کہ اس کا کیا فائدہ؟ جو ہونا تھا وہ تو ہوگیا' ان لوگوں کو سزا ان کی زندگی میں ملتی جو پاکستان کی جنت کو دوزخ بنانے میں لگے رہے مگر پھر سوچا چلو دیر سے ہی سہی لیکن ان کا حساب کسی نے تو کیا اور حساب لینے والا بھی وہ جو کڑے احتساب میں بھی کسی سے ناانصافی نہیں ہونے دیتا۔

بہرحال جنت اور دوزخ دونوں کی خیالی سیر نے مجھے خاصا کنفیوژ کر دیا ہے' دوزخ تو کسی صورت میں قبول نہیں اور جنت کے بارے میں پوری طرح علم نہیں کہ وہاں کی زندگی کس طرح کی ہوگی۔ اس کی لذتیں کس نوعیت کی ہوں گی' اس میں ہجر اور وصال' محبت اور نفرت' روشنی اور اندھیرا' خوشی اور غم' بچپن' جوانی اور بڑھاپا' صحرا اور گلستان غرضیکہ وہ سب تضادات جو زندگی میں یکسانیت پیدا نہیں ہونے دیتے وہاں کس صورت میں ہوں گے کہ لذتوں کی یکسانیت تنگ نہ کرے ان سب باتوں کا جواب انشاءاللہ آپ کو مرنے کے بعد دوں گا۔ میرا ایک شعر ہے ؎

وہاں سے لوٹ کے آئے کوئی تو بتلائے
وہاں پہ کیا ہمیں ملتا ہے کیا نہیں ملتا

چنانچہ آپ جنت یا جہنم سے آئی ہوئی میری تازہ تحریر کا انتظار کریں۔

روزنامہ جنگ لاہور 9-9-2013

☆.....☆.....☆

بنجر پاکستان میں، باغبانی اور جنگل کاری

☆ باغبان ایسوسی ایشن کا ماٹو ''قرآن فہمی اور باغبانی'' ہے

☆ 2013ء مری میں باغبانی کی صدسالہ سالگرہ ہے

☆ پاکستان بھر کے باغبانوں، زرعی اداروں، زرعی یونیورسٹیوں اور پورے پاکستان کے محکمہ جنگلات اور محکمہ ماحولیات کے دانشور خواتین وحضرات سے پرزور اپیل کی جاتی ہے کہ وہ 2013ء کو

''بنجر پاکستان میں باغبانی اور جنگل کاری'' کے طور پر منائیں اس سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوں گے۔

☆ بنجر پاکستان آباد ہوگا

☆ بنجر پاکستان میں باغبانی ہوگی

☆ بنجر پاکستان میں جنگل کاری ہوگی

☆ روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے

☆ غربت کے خاتمہ میں مدد ملے گی

☆ ماحولیات کے لئے یہ سال بطور خاص اہمیت حاصل کرے گا

☆ جہاں مری کے باغبان اپنی صدسالہ سالگرہ منائیں گے وہاں پورے پاکستان کا ساتھ دیتے ہوئے 2013ء کو باغبانی اور جنگل کاری کے طور پر منائیں گے

☆ 100 سالہ پودہ جات میں مری کا آملہ۔ دیسی انار۔ ناکھ ناشپاتی۔ اخروٹ۔ ہاڑی۔ شہتوت۔ بٹنگی۔ پھگواڑی اور ریٹھا کے پودے شامل ہیں۔ لاہور چڑیا گھر کا برگد کا درخت سو سالہ ہے۔ دیگر معلومات درکار ہیں۔

پتہ / رابطہ

(1) ملک حنیف وجدآنی صدر باغبان ایسوسی ایشن سنبل سیّداں نیومری

(2) صبینہ یاسمین سینئر نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن ٹبی سیّداں سوہاوہ جہلم

(3) تنویر صادق نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن میاں چنوں خانیوال

(4) ڈاکٹر حامد حسین نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن بلاک C ڈیرہ غازی خان

(5) طارق ایم ملک شعبۂ نشتر واشاعت باغبان ایسوسی ایشن چارہان نیومری

(6) احمد نواز خان تاحیات ممبر باغبان ایسوسی ایشن گاؤں گھماواں نوانشہر ایبٹ آباد

نوجوان دوستوں کے نام

تُو آئے تو لگتا ہے اپنی بھی سحر ہوگی!

طلوع اسلام کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ قرآن مجید کا پیغام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جائے، خاص طور پر نوجوانوں کو قرآن کے اصول وقوانین سے آگاہ کیا جائے۔ قرآن پڑھنا سمجھنا اور پھر عمل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، جو لوگ لکھنا پڑھنا نہ جانتے ہوں ان کو قرآن سمجھانا ہر پڑھے لکھے مسلمان پر فرض ہے۔ (دیکھئے القصص:87-85، قٓ :45، المائدہ:67)

ہمارے قارئین یہ پوچھتے رہتے ہیں جن میں نوجوان طالب علموں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے کہ ہم کیا کریں؟ ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ طلوع اسلام کی وجہ سے قرآن کی تعلیمات سے تو ہم فیض یاب ہو ہی رہے ہیں، قرآن کا نظام ربوبیت بھی ہم سمجھ رہے ہیں۔ لیکن ہم اپنی عملی زندگی میں ان کا نفاذ کیسے کریں؟ یہ وہ سوال ہے جو طلوع اسلام پڑھنے والے اکثر نوجوان ہمیشہ سے سوچتے اور پوچھتے چلے آرہے ہیں کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں قرآن کریم کے اصول وقوانین کو کس طرح نافذ کریں؟

کچھ نہ کچھ کرنے کی آرزو عام طور پر ہر باشعور انسان کے دل میں ضرور ہوتی ہے، جب کوئی نوجوان مسلمان قرآن پڑھتا اور سمجھنے لگتا ہے تو اس کے دل میں کچھ اچھا کر گزرنے کی خواہش زیادہ ہو جاتی ہے کہ وہ قرآن کی روشنی میں اپنے معاشرے کی بہتری کے لیے کیا اور کیسے کرے؟ قرآن کریم کی ہدایات میں سے ہم اپنے نوجوانوں کو چند ضروری باتیں سمجھانا چاہتے ہیں۔ کسی بگڑے ہوئے معاشرے میں قرآنی تعلیمات پر انفرادی اور اجتماعی طور پر عمل کرنا آسان کام نہیں ہے، قدم قدم پر مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ بات قرآن کریم میں ہمیں اس طرح سمجھائی گئی ہے کہ: (مفہوم)

وحی کی راہ نمائی تمام انسانوں کو ایک برادری میں منسلک کر دینا چاہتی ہے، لیکن چونکہ اِس سے اِنفرادی مفاد چاہنے والوں کے مقاصد پر زد پڑتی ہے، اِس لیے وہ اِس کی سخت مخالفت کرتے ہیں۔ لہٰذا اِس جنتی معاشرہ کے قائم کرنے کے لیے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سو، اے جماعتِ مومنین! تم یہ نہ سمجھ لینا کہ تم اِس معاشرہ کو یونہی قائم کرلو گے اور مفت میں جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ ایسا نہیں ہو سکے گا۔ تمہیں بھی اُن جاں گداز مراحل سے گزرنا پڑے گا جن سے وہ لوگ گزرے ہیں جنہوں نے اِس سے پہلے اِس انقلاب آفرینی کی کوشش کی۔ سختیاں اور مصیبتیں انہیں چاروں طرف سے گھیر لیتیں۔ اُن کی شدت سے اُن کے دل دہل جاتے۔ یہاں تک کہ وہ اور ان کا رسول پکار اٹھتے کہ بارالٰہا! ہماری کوششوں کی بارآوری کا وقت کب آئے گا۔ ایسے ایسے ہمت شکن اور صبر آزما مراحل کے بعد کہیں جا کر اُن کی کوششیں کامیاب ہوتیں اور تائیدِ ایزدی اُن کی سعی وعمل کو ثمر بار کرتی۔ تمہیں بھی انہی مراحل سے گزرنا ہوگا۔ (البقرہ:214)

یہی بات دوسری جگہ سورہ البقرہ: 157-155 میں اس طرح سمجھائی جارہی ہے:

اس جدوجہد میں بیشتر مواقع ایسے آئیں گے جن میں تمہیں اِس امر کا اندازہ ہو سکے گا کہ تمہاری صلاحیتوں کی کس حد تک نشوونما ہو چکی ہے۔ (ٹکراؤ کے بغیر انسان اپنی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ کر ہی نہیں سکتا۔ مزید دیکھئے، الملک:2) اس میں کہیں جنگ وقتال اور دیگر خطرات کا اندیشہ ہوگا تو کبھی کھانے پینے کے سامان کی کمی ہوگی۔ کہیں مال اور جان کا نقصان ہوگا۔ کہیں کھیت اور باغ اجڑیں گے۔ یہ سب کچھ ہوگا لیکن آخرالامر فتح وکامرانی کی خوش خبریاں ان کے لیے ہوں گی جو اِس جدوجہد میں ثابت قدم رہیں گے اور مصائب و مشکلات کے ہجوم میں اُن کی نگاہیں، اِس نقطہ سے ذرا بھی اِدھر اُدھر نہیں ہٹیں گی کہ ہمارا مقصدِ زندگی نظامِ خداوندی کا قیام بنے۔ ہم نے اپنے آپ کو اِس کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ مشکلیں آتی ہیں تو آئیں، ہمارا ہر قدم اِسی نصب العین کی طرف اٹھے گا وہی ہمارا مقصود و منتہیٰ ہے اور ہم ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کریں گے۔ یہی وہ انقلابی جماعت ہے جو اپنے نشوونما دینے والے کے نزدیک مستحق ہزار تبریک وتہنیت ہے۔ انہیں اُس کے قانون کی تائید حاصل ہے انہی کے لیے سامانِ نشوونما کی فراوانیاں اور الطاف واکرام کی بارشیں ہیں اور ان کا اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جانا یقینی ہے۔ (البقرہ: 157-155)

قرآن کی روشن راہنمائی میں عمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایمان بھی اسی طرح کا ہو جس طرح قرآن کریم میں بتایا گیا ہے۔ ہمارا ایمان کس طرح کا ہونا چاہیے اس کے لیے پڑھیے: (مفہوم)

ان (مخالفین) سے کہو کہ آؤ تمہیں بتائیں کہ وہ کون سا مسلک ہے جسے اختیار کر کے ہم تمہاری خودساختہ گروہ بندی اور نسل پرستی سے بلند ہو چکے ہیں۔ وہ مسلک یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اُس ضابطہء حیات پر ایمان رکھتے ہیں جو اُس نے (اِس رسول کے ذریعے) ہماری طرف بھیجا ہے۔ (یہ، اپنی اصل کے اعتبار سے اُسی قسم کا ضابطہء حیات ہے جس قسم کا اس سے پہلے) ابراہیم واسماعیل و اسحٰق ویعقوب اور دیگر انبیائے بنی اسرائیل کی طرف نازل ہوا تھا۔ ہم اِس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ انہیں بھی (اپنے اپنے وقت میں) خدا کی طرف سے ضوابطِ حیات ملے تھے۔ نیز موسیٰ کو بھی اور عیسیٰ کو بھی۔ بلکہ تمام انبیاء کو۔ ہم ان تمام انبیاء کو ایک ہی سلسلے کی کڑیاں سمجھتے ہیں اور نبی ہونے کی جہت سے اُن میں سے کسی کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے۔ یہ ہے وہ مسلک جس کی رو سے ہم خالص قوانین خداوندی کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان سے کہو کہ یہ ہے ہماری دعوت۔ اگر یہ لوگ بھی اُسی طرح اس ضابطہء حیات پر ایمان لے آئیں جس طرح تم لائے ہو تو اُس وقت یہ خدا کے متعین کردہ صحیح راستے پر ہوں گے اور اگر یہ اِس سے اعراض برتیں گے تو اُن کا یہ اعراض اُس راستے سے ہٹ جانے کے مترادف ہوگا جس پر تمام انبیاءؑ سابقہ چلتے رہے ہیں۔ اگر انہوں نے اِس راستے کو اختیار نہ کیا اور اپنی ضد پر قائم رہے، تو ان کی مخالفت بدستور رہے گی لیکن تمہیں اس کی قطعاً پروا نہیں کرنی چاہیے۔ ہمارے نظام میں، جس کی تم اطاعت کرتے ہو، اتنی قوت موجود ہے کہ وہ تمہیں ان کی ضرر رسانیوں سے محفوظ رکھ سکے۔ اِس لیے کہ یہ اُس خدا کا نظام ہے جو سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ (البقرہ: 137-136)

یہی بات اس طرح بھی سمجھائی گئی ہے:

جولوگ اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اپنے اس اقرار اور ایمان پر جم کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور دنیا کی کوئی قوت ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں پیدا کرتی تو ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے (اللہ کی کائناتی قوتیں ان کا ساتھ دیتی ہیں اور ان کے لیے باعث تقویت بنتی ہیں، الاحزاب:43) اور اس طرح ان سے کہتی ہیں کہ تم کسی قسم کا خوف نہ کرو۔ نہ ہی افسردہ خاطر ہو۔ تمہارے لیے اس جنتی معاشرہ کی خوشخبری ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ دیکھیں مفہوم القرآن 41:30، (3:124-125، 8:10-12، 46:13)۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے رفیق ہیں اور آخرت کی زندگی میں بھی تمہارے رفیق ہوں گے۔ (اس لیے تمہیں یہ جنتی زندگی اس دنیا میں بھی نصیب ہوگی اور آخرت میں بھی)۔ اس جنتی زندگی میں وہ سب کچھ ہوگا جسے تمہارا جی چاہے گا اور وہ سب کچھ ملے گا جسے تم طلب کرو گے۔ (جو چاہو گے ہوگا جو مانگو گے ملے گا، یہ ہوگا نتیجہ تمہارے یقینِ محکم اور عملِ پیہم کا)۔ اور یہ سب کچھ ایسی عزت و توقیر کے ساتھ ملے گا جیسے میزبان اپنے مہمان کی تواضع کرتا ہے اس میں اللہ کی طرف سے زندگی کے خطرات سے حفاظت کا سامان بھی ہوگا اور سامانِ نشوونما بھی۔ اس کے بعد بتاؤ کہ اس شخص کی بات سے زیادہ حسین اور جاذب بات اور کس کی ہوسکتی ہے جو لوگوں کو قانونِ خداوندی کی طرف دعوت دیتا ہے اور خدا کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوتا ہے اور (اس طرح اپنی عملی زندگی سے ثابت کر دیتا ہے کہ) وہ ان میں سے ہے جو مسلمین ہیں یعنی ان لوگوں میں سے ہے جو قوانین خداوندی کے اطاعت گزار ہیں۔ یاد رکھو! معاشرہ اور انسانی ذات میں حسن پیدا کرنے والے کام اور ایسے کام جن سے بگاڑ پیدا ہو نتیجہ کے اعتبار سے کبھی ایک جیسے نہیں ہو سکتے (یعنی اچھے اور برے کام ایک جیسے نہیں ہو سکتے) اگر معاشرہ میں ناہمواریاں (یعنی خرابیاں) پیدا ہو جائیں تو ان کے ازالے کی بہترین صورت یہ ہے کہ معاشرہ میں زیادہ سے زیادہ حسن پیدا کرنے والے کام کیے جائیں۔ (اس سے غلط کاموں کے مضر اثرات کا ازالہ بھی ہو جائے گا اور آئندہ کے لیے بگاڑ بھی رک جائے گا۔ نیز اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ) وہ شخص جس کی طرف سے بگاڑ پیدا کرنے والی حرکت سرزد ہوئی تھی اس میں اور تم میں اگر سخت عداوت ہوگی تو وہ تمہارا گرمجوش دوست بن جائے گا۔ (برائی کو بھلائی سے روکنے کا یہ طریقہ ہے لیکن یہ طریق انہی کی صورت میں کارگر ہوسکتا ہے جن میں اصلاح کا امکان ہو۔ جو مخالفت کی آخری حد تک پہنچ چکے ہوں ان کے علاج کے لیے سختی کی ضرورت پڑے گی)۔ لیکن یہ طریق کار ہے بڑا مشکل اور اس پر عمل پیرا وہی ہوسکتا ہے جو نہایت مستقل مزاج ہو، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جس شخص کو اس طریق کار کی توفیق نصیب ہو جائے تو وہ بڑی کامیابیوں اور کامرانیوں کا مالک ہوگا۔ یہ کام دشوار اس لیے ہے کہ سرکش قوتیں اور خود تمہارے سطحی مفاد پر مبنی جذبات اس کی کوشش کریں گے کہ تمہاری اس روش میں بگاڑ کی صورت پیدا کر دیں۔ ایسی صورت میں اس کا علاج یہ ہے کہ تم اور شدت سے قوانین خداوندی کی پیروی کرنے لگ جاؤ۔ اس سے تمہیں ان تخریبی عناصر کی فساد انگیزیوں سے پناہ مل جائے گی۔ یاد رکھو! اللہ ہر بات کا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (حٰمٓ السجدہ:36-30)

قرآن حکیم آسمانی دستورِ حیات ہے۔ دستور یا آئین Constitution کسی معاشرے پر لاگو کرنے کے لیے ہوتا ہے، لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پورے کا پورا معاشرہ بگڑا ہوا ہوتا ہے اور ایسے بگڑے ہوئے معاشرے میں قرآن کریم کو بطور آئین نافذ کرنا ناممکن حد تک مشکل ہوتا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ ہدایت دی:

ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ سے کہا کہ سرِ دست مصر میں جس جگہ تمہاری قوم ہے، وہیں ان کی ذہنی اور قلبی تربیت شروع کر دو۔ (فرعون اس کی اجازت نہیں دے گا کہ تم اپنی پارٹی کے لیے کوئی تربیتی مرکز بناؤ جہاں ان کے اجتماعات ہوا کریں اس لیے) تم فی الحال اپنی جماعت کے ممبروں کے گھروں کے اندر ہی یہ سلسلہ شروع کر دو اور اس طرح اس نظامِ صلوٰۃ کی ابتدا کر دو (جسے آخر الامر تمام معاشرہ کو محیط ہو جانا ہے) اور اپنی جماعت کو اس نظام کے نتائج و ثمرات کی خوش خبری دیتے رہو (تاکہ ان کی ہمتیں تازہ اور حوصلے بلند رہیں)۔

اوپر لکھی ہوئی آیت مبارکہ (یونس:87) جو ابھی آپ نے پڑھی ہے اس پر زیادہ توجہ دیجیے۔ قرآن کریم کی ہر آیت ہماری پوری پوری توجہ چاہتی ہے، اس آیت مبارکہ میں ہدایت دی جا رہی ہے کہ اپنے اپنے گھروں کو اپنا مرکزِ توجہ بنا لو۔ ہمارے اور آپ کے گھر کسی بھی مملکت کے سب سے چھوٹے یونٹ ہوتے ہیں یعنی ایک ایک گھر سے مل کر ایک گلی اور پھر ایک محلّہ اور پھر قصبے اور شہر بنتے ہیں، ہمارے گھر ہمارے ملک کی چھوٹی چھوٹی اکائیاں Units ہیں جن سے مل کر گلی، محلے اور شہر بنتے ہیں۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے کہ اگر معاشرہ بگڑا ہوا ہو تو قرآن کریم پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے اپنے گھروں کو اپنا مرکزِ توجہ بنالیں اور نظامِ صلوٰۃ قائم کریں۔ مزید غور فرمائیے کہ جس چیز کو ہم معاشرہ Society کہتے ہیں وہ ہمارے آپ کے کھلے ہوئے گھروں کا نام ہے۔ صبح سویرے ہم سب اپنے اپنے گھروں سے نکل کر اپنے اپنے کام دھندوں کے لئے دفتروں، کارخانوں، بازاروں اور تعلیمی اداروں وغیرہ کے لئے چل پڑتے ہیں۔ آپ یہ سوچئے کہ جس قسم کے کردار کے لوگ گھروں میں رہتے ہیں وہی کردار معاشرے میں ہوں گے، اگر گھروں میں نیک لوگ رہتے ہوں گے تو معاشرہ بھی اچھے انسانوں کا ہوگا۔ اگر ہم یہ دیکھیں کہ ہمارا معاشرہ بگڑا ہوا ہے اور ہم اچھے اور اعلیٰ کردار کے انسان اور مسلمان بننا چاہتے ہیں جو کسی بھی بگڑے ہوئے معاشرے میں بہت ہی مشکل کام ہے تو اس کے لئے ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ اپنے اپنے گھروں کو مرکزِ توجہ بنالو اور الصلوٰۃ قائم کرو۔ اگر آپ اپنے گھرانے کے سربراہ ہیں یا ذمہ دار فرد ہیں تو آپ کے لئے آپ کا گھر ایک ایسی جگہ ہے جہاں آپ گویا بادشاہ اور مکمل طور پر خود مختار ہوتے ہیں جہاں آپ کو روکنے ٹوکنے والا کوئی بھی نہیں۔ یہ باتیں ہم ان نوجوانوں کو سمجھانے کے لیے لکھ رہے ہیں جن کی تمنا ہے کہ وہ قرآن کریم کی رہنمائی میں اپنے معاشرے کے لیے اچھے کام کریں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہمیں ایک حکم مختلف انداز سے بھی واضح کر کے فرمایا ہے۔ پہلے ہمیں ہدایت دی گئی کہ اپنے اپنے گھروں کو اپنا مرکزِ توجہ بناؤ دوسرے مقام پر جو ہدایت دی جا رہی ہے اس پر بھی توجہ فرمائیے:

(اے رسول!) تم ان سے کہو کہ میں تم سے کوئی لمبی چوڑی بحث نہیں کرنا چاہتا، نہ ہی کوئی طول وطویل لیکچر دینا چاہتا ہوں۔ میں تم سے صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ تم اللہ کے لیے ایک ایک، دو دو کر کے کھڑے ہو جاؤ اور پھر سوچو! اگر تم نے ذرا بھی غور و فکر

سے کام لیا تو تمہیں نظر آجائے گا کہ یہ رسول (جو تمہیں دن رات اس قسم کی نصیحتیں کرتا رہتا ہے **معاذاللّٰہ ثم معاذ اللّٰہ**) کوئی پاگل نہیں (اس کی باتوں میں معاذ اللہ جنون Madness نہیں ہے)، اس کی ہر بات علم و بصیرت پر مبنی ہے اور اسی علم و بصیرت کی روشنی میں وہ تمہیں تمہاری غلط روش کے تباہ کن نتائج سے قبل از وقت متنبہ کر رہا ہے۔ (سبا: 46)

یونس: 87 میں ہدایت دی جا رہی ہے کہ انفرادی طور پر ہم اپنے اپنے گھروں کو مرکزِ توجہ بنالیں اور صلوٰۃ قائم کریں جب کہ سبا: 46 میں ہمیں کہا جا رہا ہے کہ تم اللہ کے لیے ایک ایک اور دو دو کر کے کھڑے ہو جاؤ پھر غور و فکر کرو۔ اس بات پر بھی غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ جیسی عظیم ترین ہستی، اتنی بڑی کائنات کا مالک ہم فانی انسانوں کو جو کہ آج کے دور میں اربوں کی تعداد میں ہیں ان میں سے ایک ایک فرد کو یہ حکم اور ہدایت دے رہا ہے کہ تم (سب کے سب اگر نہ سہی تو) اللہ کے لئے اکیلے اکیلے اور دو دو کر کے کھڑے ہو جاؤ اور پھر سوچو (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں علم و بصیرت پر مبنی ہیں۔)

یہ بات بھی یاد رکھنے والی ہے کہ کسی بھی بگڑے ہوئے معاشرے میں قرآن کریم کی ہدایات پر عمل کرنے کے لیے ہمارے کردار میں صبر و استقامت کے ساتھ عزم و ہمت کا ہونا بہت ضروری ہے، عزم و ہمت کے ساتھ ہی ہم انفرادی طور پر اور پھر اجتماعی طور قرآن پر عمل کر سکیں گے، مثلاً:

لقمان نے اپنے بیٹے سے یہ بھی کہا کہ تم نظام صلوٰۃ کو قائم کرو جس بات کو وحی خداوندی جائز قرار دے اس کا حکم دو۔ جسے وہ معیوب کہے اس سے لوگوں کو روکو۔ اس نظام کے قیام اور بقا کی جدوجہد میں تمہیں جو مشکلات بھی پیش آئیں ان میں ہمیشہ ثابت قدم رہو۔ یاد رکھو! مصائب اور مشکلات میں ثابت قدم رہنا (عزم الامور یعنی) ہمت کے کام ہیں اور اس کے لیے بڑے مستحکم ارادے کی ضرورت ہوتی ہے۔ (لقمان: 17)

یہ بات تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ہر اس شخص کے لئے اسوہء حسنہ Model Character ہے جو اللہ تعالیٰ کے قوانین کی نتیجہ خیزی پر یقین کامل رکھتا ہو (الاحزاب: 21) دین خداوندی کے مقابلے میں رشتہ داری کے تعلقات کی حیثیت کیا رہ جایا کرتی ہے اس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے رفقا کے طرزِ عمل کو بہترین نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے (الممتحنہ 7-4)

جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اور حسین ترین مضبوط کردار کی بات کرتے ہیں تو ان کے کردار کی بہت ساری خصوصیات میں سے دو عظیم اور اہم ترین خوبیاں تھیں صداقت اور امانت، نبوت سے قبل ہی ان کو اپنے اور بیگانے سب صادق اور امین کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی سچ بات کہنے کا حکم دیا ہے، نہ صرف سچ اور حق بات کہنے کا حکم دیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ صاف اور سیدھی بات کیا کرو خاص طور پر جب کسی معاملے میں تمہاری گواہی Witness کی ضرورت پڑے تو تم اللہ کی طرف سے گواہ بن کر شہادت دو، توڑ مروڑ کر اور پیچ دار بات نہ کیا کرو، صاف اور سیدھے لفظوں میں ہر حال میں سچ کہنا ہے یہاں تک کہ تمہارا سچ

تمہارے اپنے، تمہارے والدین کے اور اقربین کے خلاف ہی کیوں نہ جائے۔ دیکھئے الاحزاب:71-70 اور النساء:135

قرآنی آیات کی روشنی میں جو باتیں ہم نوجوانوں کو سمجھانا چاہتے ہیں وہ مختصراً یہ ہیں کہ:

1۔ **زندگی کے ہر موڑ اور ہر معاملے میں صادق اور امین بننا ہوگا۔**

2۔ **بات صاف اور سیدھی کیا کرو۔**

3۔ **اللہ کے لیے اکیلے اکیلے اور دو دو کر کے کھڑے ہو کر سوچنا ہوگا۔**

4۔ **اپنے اپنے گھروں کو اپنا مرکزِ توجہ بنانا ہوگا۔**

5۔ **قرآن کے احکام پر عمل ہم چاہے انفرادی طور پر کریں یا اجتماعی طور پر قدم قدم پر مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا ہوگا جس کے لئے صبر و استقامت، عزم و ہمت کے ساتھ تحمل اور برداشت کی ضرورت ہر وقت رہے گی۔**

کسی بھی بگڑے ہوئے معاشرے میں قرآن کی راہنمائی میں مومنوں والی زندگی گزارنا آسان کام نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور ان کے عظیم کردار میں ہمارے دکھوں کا مداوا اور مسائل کا حل موجود ہے۔ ہم اپنے نوجوانوں سے یہ کہیں گے کہ اس مضمون کی روشنی میں اپنی سوچ اور عمل کا جائزہ لیجئے، محاسبہ کرتے کرتے اگر ایسا لگے کہ ابھی آپ کو اور مضبوط ہونا ہے تو اپنے آپ کو خوب سے خوب تر بنایئے۔ یہاں ہم اپنے نوجوان دوستوں کو دو مشورے دینا چاہیں گے۔

پہلا مشورہ یہ ہے کہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت قرآن پڑھنے اور سمجھنے میں صرف کریں۔ پڑھیں بھی تو اس طرح کہ آپ کے ہاتھوں میں قلم اور ایک نوٹ بک ہونا ضروری ہے تاکہ قرآن کی آیات مبارکہ اور ان میں آئے ہوئے الفاظ کے معانی و مطالب لکھ کر یاد کریں، اگر ہمارے کہنے سے پہلے ہی قرآن مجید کے نوٹس Notes لے کر پڑھنے اور سمجھنے کے عادی ہیں تو بہت اچھی بات ہے۔ اپنی اس عادت کو برقرار رکھئے Keep it up ۔ محترم پرویز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا درس سننے کے بعد جب کبھی کوئی نوجوان طالب علم اپنی ڈائری یا آٹوگراف بک ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہتا کہ سر! پلیز اپنے آٹوگراف دے دیجئے تو پرویز صاحب ذرا سا سر جھکا کر اپنے چشمے کے پیچھے سے جھانکتی آنکھوں سے بظاہر بے نیازی کی ایک نظر ڈالتے ہوئے آٹوگراف مانگنے والے نوجوان کو سر سے پاؤں تک دیکھتے اور حکم دینے کے انداز میں فرماتے کہ "میرے درس کو لکھ لیا کرو یہی میرے آٹوگراف ہیں" محترم پرویز رحمۃ اللہ علیہ اپنے دروس میں کہا کرتے تھے کہ ان حوالوں کو نوٹ کرتے جایئے، ان باتوں کو لکھتے جایئے جو میں بتا رہا ہوں یہ آپ کے کام آئیں گی۔ آج ہمارے زمانے میں ایسے خوش نصیب مل جائیں گے جنہوں نے پرویز صاحب کے درسوں کو Live سنا بھی اور سمجھا اور لکھا بھی اور ایک عرصہ گزرنے کے بعد وقتاً فوقتاً اپنے بچوں کو اور ملنے جلنے والوں کو فخریہ انداز میں اپنی ڈائریوں اور نوٹ بکس میں لکھے ہوئے درسوں کو دکھاتے رہتے ہیں کہ ہم نے یہ نوٹس Notes آج سے تیس سال یا چالیس سال یا پچاس سال پہلے لکھے

تھے۔قرآن مجید کی بہت ساری خوبیوں میں ایک بہت بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ یہ اپنے نزول کے پہلے دن سے ہی "آج" کے لئے ہے۔قرآن آسمانی اصول وقوانین کی ایک ایسی لازوال کتاب ہے جو اپنی اشاعت کے روز اول سے ہی زمانہء حال کے لئے ہے، یہ ایک ایسی خوبی ہے جو دنیا کی کسی کتاب کی نہیں ہے۔ پرویز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بتائے ہوئے قرآن فہمی کے طریقے کہ "قرآن کو قرآن ہی سے سمجھئے" کے اصول کے مطابق اگر آپ قرآن کی آیات لکھ کر پڑھنے اور سمجھنے لگیں گے تو آپ کے آج کے لکھے ہوئے نوٹس (Notes) جو آج آپ کے کام آئیں گے تو کل آپ کے بچوں کے کام آئیں گے۔اس لئے کام آئیں گے کہ قرآن ہر زمانے کے "حال" یعنی Present کے لئے ہے۔ ہمارا دوسرا مشورہ پڑھنے کے ساتھ دیکھنے اور سننے سے متعلق ہے۔ملکی اور غیر ملکی حالات حاضرہ (Current Affairs) اور International Affairs سے باخبر رہنے کے لئے آپ کو زیادہ سے زیادہ اخبارات، رسائل اور مختلف کتابیں پڑھنے کے ساتھ ساتھ ملکی اور غیر ملکی مختلف ٹی وی چینلز دیکھنے اور ایف ایم ریڈیوز کے بہت سارے چینلز بھی سننے ہوں گے۔نوجوانوں میں مطالعے کی عادت Reading Habit بہت ہی کم ہوگئی ہے، ان کو مطالعے کی عادت ڈالنا ہوگی۔ پرنٹ میڈیا کے ساتھ الیکٹرانک میڈیا نے دنیا کو بہت تیز کر دیا ہے خاص طور پر مغربی ممالک نے اپنے الیکٹرانک میڈیا کو اتنا تیز رفتار بنا دیا ہے کہ ہمارا ایک عام پاکستانی بھائی ان کی تیز رفتار نشریات میں موجود ان کے نظریات اور مقاصد کو شاید ہی سمجھ سکے۔ (ملکی اور غیر ملکی میڈیا کی نشریات کے بارے میں ہم طلوع اسلام کی آنے والی اشاعتوں میں لکھیں گے)

ہم نوجوان دوستوں کو یہ بتا رہے ہیں کہ قرآن کریم کے معیار کے مطابق مومن اور پھر مسلم بننا آسان کام نہیں ہے۔ ہمارے زمانے میں تو مسلمان بننا تو اور بھی مشکل ہوتا جا رہا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ایک چھوٹا اور آسان سا حکم ہے کہ صاف اور سیدھی بات کیا کرو، سچی بات کیا کرو، کسی معاملے میں گواہی دینے کی ضرورت پیش آجائے تو اللہ کی طرف سے گواہ بن کر سچی گواہی دو، لفظوں کو توڑ مروڑ کر گواہی نہ دو، تمہارا سچ تمہارے اپنے، تمہارے والدین اور اقربین کے خلاف جائے تب بھی تم کو سچ ہی کہنا ہوگا۔اس ایک حکم کی روشنی میں اپنا محاسبہ کیجیے اور سوچئے کہ ہم سب اپنی روزمرہ کی زندگی میں انفرادی طور پر اللہ تعالیٰ کے فقط اس ایک حکم پر کس حد تک عمل کر رہے ہیں؟

زندگی میں کچھ اچھا کرنے کی تمنا بڑی اچھی بات ہے لیکن اچھا کرنے کے لئے پہلے اچھا بھی تو بننا پڑے گا نا! اتنا اچھا بننا پڑے گا کہ آپ کے کردار کی اچھائیوں کے بارے میں اپنے اور بیگانے سب گواہی دیں کہ ہاں یہ ایک اچھا انسان ہے۔وہ شخص جو اللہ اور رسول کے احکامات پر عمل نہیں کرتا کفر کرتے ہوئے شہروں میں فساد پھیلاتا ہے، جہاں جاتا ہے، جہاں رہتا ہے، اس جگہ کو جہنم بنا دیتا ہے۔کافر دنیا کو جہنم بنا دیتا ہے جبکہ مومن کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ جہاں جاتا ہے، جہاں رہتا ہے، وہ جگہ جنت بن جاتی ہے۔ مومن اپنی جنت اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے۔اس نور کو اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے جو قرآن کی صورت میں نازل ہوا ہے۔اپنے راستے کو بھی روشن رکھتا ہے اور جو اس کے ساتھ چلنا چاہیں ان کو بھی ساتھ لے کر چلتا ہے۔اس کی اپنی دنیا میں اسے حیاتِ طیبہ حاصل ہوتی ہے

اوراس کی وجہ سے اس کے گھر والے اور پڑوسی چین اور سکون سے رہتے ہیں۔مومن کی شخصیت باغ و بہار ہوتی ہے اپنی ذات میں انجمن ہوتا ہے،لوگ اپنے پاس بٹھا کر اپنے دکھ سکھ اور اپنا حال دل سنانے کے لیے اس کے انتظار میں گویا یہ سوچتے رہتے ہیں کہ:

تو آئے تو لگتا ہے اپنی بھی سحر ہو گی
انداز ہیں سب تیرے سورج کی کرن والے

اے مومنو! ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے ،تم اپنے ایمان کا ثبوت اپنے عمل سے پیش کرو،ایسا کبھی نہ کرو کہ زبان سے بڑے بڑے دعوے کرو اور انہیں عملاً پورا کر کے نہ دکھاؤ، جو کچھ زبان سے کہو اسے عمل سے پورا کر کے دکھاؤ،قول و فعل میں ہم آہنگی ایمان کے دعوے کی صداقت کا ثبوت ہے،اللہ اس بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں،اللہ کے نزدیک یہ بات قابل مذمت اور قابل گرفت ہے کہ ایسی باتیں کی جائیں جنہیں کر کے نہ دکھایا جائے۔(اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو خالی باتیں کرتے ہیں بلکہ) اللہ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے (جو وقت پڑنے پر) سر بکف میدان جنگ میں نکل آتے ہیں۔(الصّف:4-2)

☆.....☆.....☆

انسان کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ جس چیز کو وہ صحیح سمجھتا ہے اُس کے خلاف عمل کرے۔

(علامہ پرویزؒ)

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کاشف راز

مردِ مومن کی خوبیاں

مومن کی بہت ساری خوبیوں میں سے چند خوبیاں ملاحظہ فرمائیے۔ مومن کی شخصیت میں ان خوبیوں کو موجود ہونا چاہیے۔ یہ ہم ان نوجوان دوستوں کے لیے بھی لکھ رہے ہیں جن میں کچھ اچھا کر گزرنے کی آرزو ہے۔ اچھا کرنے کے لئے اچھا بننا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سورۃ الانفال کی آیات مبارکہ 66-65 میں فرمایا ہے: (مفہوم پڑھئے)

اے رسول! تو اپنے عملی پروگرام کے ذریعے، اپنی جماعت کی کمیوں اور کمزوریوں کو رفع کرتا رہ تا کہ یہ جہاد زندگی میں مردانہ وار حصہ لینے کے قابل ہو جائیں۔ اس سے ان میں ایسی توانائی پیدا ہو جائے گی کہ اگر تم میں بیس سپاہی ثابت قدمی دکھائیں گے تو وہ مخالفین کے دو سو سپاہیوں پر غالب آجائیں گے اور اگر ایک سو ایسے جانباز ہوں گے تو وہ فریق مقابل کے ایک ہزار پر غالب آجائیں گے۔ یہ اس لیے کہ تمہارے مخالفین، عقل و فکر سے کام لینے کے بجائے انتقام اور نفرت کے جذبات سے اندھے ہو کر میدانِ جنگ میں آتے ہیں اور کامیابی کے لیے اولین شرط یہ ہے کہ لڑنے والے سمجھ اور سوچ سے کام لیں۔ لیکن یہ ایک اور دس کی نسبت (یعنی ایک سو کا ایک ہزار پر غلبہ حاصل کر لینا) اُسی صورت میں ہے جب کمی، تعداد کے اعتبار سے ہو۔ سامانِ حرب وضرب میں تمہاری اور دشمن کی پوزیشن یکساں ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ اِس وقت پوزیشن ایسی نہیں۔ تم تعداد میں بھی کم ہو اور سامان کی بھی بڑی قلت ہے۔ اس لیے اس وقت نسبت صرف ایک اور دو کی ہوگی۔ اگر تم میں ایک سو سپاہی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے اگر ایک ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر فتح پالیں گے۔ یہ سب خدا کے اس قانون کی رُو سے ہوگا جس کی تائید اُن لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو ثبات اور استقامت سے کام لیتے ہیں۔

اوپر لکھے ہوئے مفہوم کو ایک مرتبہ اور پڑھئے، اللہ تعالیٰ بندہء مومن کو اعلیٰ قسم کا جانباز اور بہادر اور عملی انسان بنانا چاہتا ہے، اتنا طاقتور کہ فقط ایک مومن دس کافروں اور مخالفوں کو مار بھگائے۔ اللہ اپنے مومن بندوں کو ہیرو کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہے، آپ کو پتا ہوگا کہ ایک ہیرو، ولن سمیت دس دس دشمنوں کو مار پیٹ کر بھگا دیتا ہے۔ جنگ بدر کی تاریخ آپ کو یاد ہی ہوگی جہاں 313 مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں کوئی ایک ہزار کفار کا مقابلہ کیا تھا۔ وہ لوگ سچے اور پکے مومن تھے۔ جب انسان مومن بن جاتا ہے تو پھر مومنوں کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ (الروم:47) اسلام ننگے بھوکوں اور لاغر و کمزور انسانوں کی فوج پیدا کرنے کے لئے نہیں ہے، اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ اسلام بہادروں اور غیرت مندوں کا دین ہے، دین اسلام پر چلنے

والے ایک ایک فرد کو اللہ تعالیٰ سپر مین Superman بنانا چاہتا ہے۔ قرآن کریم میں مومنوں کی بیسیوں خوبیاں بیان کی گئی ہیں ان میں سے چند خوبیاں جو نیچے لکھی جا رہی ہیں اگر ہمارے کردار میں آجائیں اور جس کی جھلک عملی زندگی میں ہمارے طور طریقوں میں بھی نظر آنے لگے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے معیار کے مطابق ہم سچے اور پکے مومن بنتے جا رہے ہیں۔

1۔ ایمان اور اس کا نتیجہ بے خوف اور بہادرانہ زندگی ہے۔ یعنی مومن بے خوف ہو کر زندگی گزارتے ہیں۔ (الاحقاف:13)

2۔ رسول پر ایمان لانا اور رسولوں کے مشن کو آگے بڑھانا مومنوں کا شعار ہے۔ (الفتح:9-8)

3۔ جو کچھ زبان سے کہتے ہیں اسے کر کے دکھانے والے۔ (الصّف:3-2)

4۔ اچھے کاموں میں آگے بڑھنے والے۔ (المومنون:61-57)

5۔ اپنی چال ڈھال اور بات چیت میں اعتدال رکھنے والے۔ (لقمان:19)

6۔ لوگوں کے ساتھ اچھے انداز میں بات کرتے ہیں بے رخی اور اوچھے پن سے بات نہیں کرتے۔ (لقمان:18)

7۔ ایک دوسرے کے ساتھ نرم دل اور غم گسار۔ (الفتح:29)

8۔ انسانوں سے درگزر کرنے والے (الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ) (اٰلِ عمران:134)

9۔ غصے کی حالت میں بھی جوش اور طیش میں نہیں آتے' معاف کر دیتے ہیں۔ (الشوریٰ:37)

10۔ برائی کے بڑے کام (كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ) اور فحاشی سے بچنے والے۔ (الشوریٰ:37، النجم:32)

11۔ کبھی غلطی ہو جائے تو فوراً اللہ کے حکم پر نظر ثانی کرنے والے۔ ذکر کرنے والے، اللہ کی کتاب، قرآن کو بطور ذکر، یاد دہانی

12۔ MEMORANDUM اپنے سامنے رکھنے والے۔ (اٰلِ عمران: 135)

مومن جب تک خود کسی بات کی تحقیق و تفتیش نہ کر لے کسی بات کے پیچھے نہیں پڑتا۔ (بنی اسرائیل:36)

13۔ مومن، بہترین قوم کے بہترین افراد ہیں جن کو عوام کی فلاح و بہبود کے لئے پیدا کیا گیا۔ (البقرہ:143، اٰل

14۔ عمران:110)

حق کا راستہ بتانے والے اور حق کے ساتھ عدل کرنے والے۔ (الاعراف:181)

15۔ قانون کے معاملے میں کسی سے نرمی نہ برتنے والے۔ (النور:2)

16۔ مومن آپس میں اختلاف نہیں رکھتے۔ (وہ اس لئے کہ ایمان سے اختلافات ختم ہو جاتے ہیں اور تمام انسان مومن ہونے کی وجہ سے ایک امت یعنی امت واحدہ بن کر رہتے ہیں) (البقرہ:213)

17۔ مومن فرقے نہیں بناتے۔ وہ جانتے ہیں کہ فرقہ بندی شرک ہے اور شرک ناقابل معافی جرم ہے۔ (الروم:31، النساء:116) ایمان کا مطلب ہی یہ ہے کہ سب مل کر اللہ کی رسی قرآن کو پکڑ لو۔ فرقہ بازی ایمان کے خلاف ہے۔ فرقہ بندی ایمان کی ضد ہے۔ (اٰلِ عمران:103-102)

18۔ اللہ کی راہ میں آنے والی مشکلات سے مومنوں کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔ (الانفال:2، الحج35)

☆.....☆.....☆

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزم طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-	سورہ یٰسین	(36)	164	150/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	----	سورہ الصفٰت، ص، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	400/-	سورۃ مومن، حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-	سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورۃ الحج	(22)	380	350/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-	شرح جاوید نامہ	----	800	1000/-
سورۃ النور	(24)	264	350/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) 25/B، گلبرگ 2، لاہور، فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

جنوری 2014ء سے

ماہنامہ طلوعِ اسلام کی قیمت =/40 روپے فی پرچہ کی جارہی ہے

براہِ کرم سن 2014ء میں قارئین مندرجہ ذیل حساب سے قیمت ادا فرمائیں

اندرون ملک فی پرچہ =/40روپے سالانہ =/450روپے

بیرون ملک سالانہ -/2500روپے

ہماری کوشش رہتی ہے کہ طلوع اسلام کو خوب سے خوب تر کیا جائے جس کا اندازہ آپ کو بھی ہوگا۔ 2014ء میں ہمارے زیادہ تر مضامین کے مخاطب نوجوان ہوں گے اس لیے سن 2014ء کا سال ہم نوجوانوں کے نام منسوب کررہے ہیں۔

طلوع اسلام ایک تحریک ہے اور قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر بھی، ''تم اللہ کے لیے اکیلے اکیلے اور دو دو کر کے کھڑے ہو جاؤ پھر سوچو (34:46)''، اس ہدایت کی روشنی میں ہم اپنے قارئین دوستوں سے یہ کہنا چاہیں گے کہ وہ ہر ماہ ''طلوع اسلام'' کے 2 رسالے ضرور خریدیں۔ ایک اپنے لیے اور دوسرا اپنے کسی دوست یا عزیز کے لیے۔ طلوع اسلام چندہ وغیرہ مانگنے کا قائل نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق کہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، آپ کا کم از کم تعاون اتنا ہوگا کہ آپ کو دو رسالے خریدنے ہوں گے۔ آپ کے اس تعاون کی وجہ سے ہمارے لیے ممکن ہوگا کہ فروری 2014ء سے ہم تعلیمی اداروں، پبلک لائبریریز اور ریڈنگ رومز کو کم از کم دو شمارے اعزازی طور پر یعنی کوئی قیمت لیے بغیر ہر ماہ دیا کریں۔ اس کام میں ہمارے ساتھ تعاون کیجئے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

بنک اکاؤنٹ کی تفصیلات درجِ ذیل ہیں:

بنک اکاؤنٹ نمبر 7-3082 نیشنل بنک آف پاکستان، مین مارکیٹ، گلبرگ برانچ کوڈ (0465)۔ لاہور

قرآنک فاؤنڈیشن

اشتہار

Surah Al-Muddaththir (الْمُدَّثِّرُ)– Durus-al-Qur'an Parah 29: Chapter 19

By G. A. Parwez

(Translated by: Dr. Mansoor Alam)

Dear friends! Today is February 10, 1984 and today's lecture starts with Surah *Al-Muddaththir* (الْمُدَّثِّرُ). This is seventy fourth chapter of the Holy Quran.

In the past lectures we had discussed this great revolution the world had ever witnessed and for which the Quran was revealed and the Prophet (PBUH) was sent to humanity. The last two parts of the Quran especially bring to the fore the complete picture of this great revolution. The temporal sequence of the revelation is not in itself very important. The Quran is *the* Quran the way the Prophet (PBUH) compiled and put it together and gave it to the *Ummah*. But from the content of these last chapters of the Quran it seems it deals with the initial phase of this great revolution that came about later. A great revolution *was* to take place in the world. *This* we discussed in Surah *Al-Muzammil* in the past three lectures.

Meaning of الْمُدَّثِّرُ in existing translations

The next Surah is الْمُدَّثِّرُ. It starts with: (74:1-4) يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ; قُمْ فَأَنْذِرْ ; وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ; وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ
Dear friends! Let me give the translation of these verses that are found in traditional translations before I present the root meaning of these words. As I have been mentioning all along, our translations are nothing but imitations and play upon Tabari's (224-310 A.H.) interpretations. All later interpretations and translations simply tread the path that was laid out by Tabari. For example, Imamul-Hind Shah Mahmoodul Hasan's translation occupies a very high place among the traditional translations. Here is his translation of the above verses: *O Thou enfolded in blanket! Rise; then warn; and speak Thou Lord's greatness; and keep your clothes clean and remain away from dirty things.* This is found in all the traditional translations of these verses. Now, please honestly tell: Did it stir your spirits? Did your heart tremble? Did you feel any warmth in your soul from this translation? What picture emerged in front of us from the word الْمُدَّثِّرُ ? Nothing really! There are Arabic lexicons that one can approach if one wants to find out the true meaning of Arabic words. One does not

have to go Tabari for that. As I have said again and again, my lexicon (Lughatul Quran) that provides the root meanings of Quranic words is based on standard Arabic lexicons.

Lexical meaning of الْمُدَّثِّرُ

In my Lughat the meanings of Quranic words that are given are *not* my meanings. I cannot dare to do that. Also, I do not claim that I get any revelation or inspiration from above. The meanings that I have given are all there in standard Arabic lexicons. We will soon see how far and deep the meaning of this word الْمُدَّثِّرُ reaches. You saw in the previous Surah the meaning of المُزَّمِّلُ: which is to create a group of synergistic companions bonded together in pursuit of a common goal. This previous Surah (المُزَّمِّلُ) started with this goal and, I think, this Surah الْمُدَّثِّرُ describes the next stage in this great revolution. This was an extraordinary proclamation to the world – one that created the greatest revolution the world had ever witnessed. This is how this revolution was forthcoming.

What is the meaning of الْمُدَّثِّرُ ? The root meaning of this word is described by the following scenario: We observe that in autumn the trees shed leaves and look as though they are dead with dry branches. But in spring, new shoots sprout from the same dry branches and the trees turn colorful and full of life. This is called دَثَّر and the one who does this is called مُدَثِّر. Dear friends! You can see what deep meaning is hidden in this word مُدَثِّر and because of its importance I request that you please pay full attention to this lecture without creating any noise or distraction.

The second meaning that Arabs used to associate with this word is reflected by the following scenario: Birds usually remove the old and weak twigs from their nest and replace them with new and stronger twigs to make the nest re-formed and stronger. The one who does this is called مُدَثِّر. Thus: (74:1) يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ – means: O Thou who is to bring new life in the autumn of the humankind's season! O thou who is to re-form anew the human society and make it stronger! قُمْ (74:2) – Rise! Dear friends! Did you notice what great burden has been placed on the Prophet (PBUH) and how important the goal of his Prophet-hood was? All this heavy burden of responsibility is contained in just one word - قُمْ (74:2).

Western thinkers and the Quran

Sometimes a thought comes to my mind, and I often express it: It seems we are shrouded in orthodoxy and continue to follow what has been coming down from past and do not want to deviate from it even a little, not even when it comes to meaning of the Quran. But this is not the case with Western thinkers. Western intellectuals, who study the life of the Prophet (PBUH) and the Quran without any bias or preconceived notions, arrive at the correct picture quickly compared to us. As I have mentioned many times in the past they often come to see me to discuss my ideas about Islam but they never ask me whether or not someone has said this before? They are only interested in the authority and proof of what I say. My dear friends! Whoever could come to this point will approach the Quran with the right mind.

Impressions of a Western historian

You saw that the arrival of new shoots and new life in trees after the fall season is called دَثَّر and the one who does this is called مُدَثِّر. And *our* translation of يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (74:1) is: O Thou enfolded in blanket! But what did the Western thinkers understand by this? These Western thinkers who studied the life of the Prophet (PBUH) with an open mind and with an eye on the huge revolution created by the Quran, what did they understand by this verse (74:1)? Allama Iqbal (1877-1938) in his sixth lecture in the book "Reconstruction of Religious Thought in Islam" has given an example of this. He has mentioned that a great historian of civilization has presented a picture of the state of the world of the time when the Prophet (PBUH) appeared on the scene. Allama Iqbal did not give his name but I did some research and let me tell those who are interested that his name is Denison and whose book "Emotion as the Basis of Civilization" occupies a great place in historical literature. He is a great writer. You may very well understand his greatness if Iqbal gives a lengthy excerpt from Denison's book! Please read this book if you can. Denison presents a scene of the state of the world when the Prophet (PBUH) appeared on the scene in this way:

> It seemed then that the great civilization that it had taken four thousand years to construct was on the verge of disintegration, and that mankind was likely to return to that condition of barbarism where every tribe and sect was against the next, and law and order were unknown . . . The old tribal sanctions had lost

their power. Hence the old imperial methods would no longer operate. The new sanctions created by Christianity were working division and destruction instead of unity and order. It was a time fraught with tragedy. Civilization, like a gigantic tree whose foliage had overarched the world and whose branches had borne the golden fruits of art and science and literature, stood tottering, its trunk no longer alive with the flowing sap of devotion and reverence, but rotted to the core, riven by the storms of war, and held together only by the cords of ancient customs and laws, that might snap at any moment.

This was the state of world civilization; this was the condition of that tall tree; and this was its state. Then this historian asks:

Was there any emotional culture that could be brought in, to gather mankind once more into unity and to save civilization? This culture must be something of a new type, for the old sanctions and ceremonials were dead, and to build up others of the same kind would be the work of centuries.

Then he goes on:

The world stood in need of a new culture to take the place of the culture of the throne, and the systems of unification which were based on blood-relationship. It is amazing that such a culture should have arisen from Arabia just at the time when it was most needed.

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ –: O Thou who is to bring new life to humankind's putrefied fall garden! O thou who is to re-form anew the human abode and make it stronger! قُمْ (74:2) – Arise! And thus establish the system of Truth by overpowering all falsehoods. My dear friends! Denison understood the true meaning of يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ

Reverence of Carlyle for the Prophet (PBUH)

There is a book by Carlyle called "Heroes and Hero Worship". After describing various heroes of the ancient world when he comes to the Prophet (PBUH) then he writes about him as if he is in a rapturous mood. This book is worth reading. He writes:

To the Arab Nation it was as a birth from darkness into light; Arabia first became

alive by means of it. A poor shepherd people, roaming unnoticed in its deserts since the creation of the world: a Hero-Prophet was sent down to them with a word they could believe: see, the unnoticed becomes world-notable, the small has grown world-great; within one century afterwards, Arabia is at Grenada on this hand, at Delhi on that;—glancing in valor and splendor and the light of genius, Arabia shines through long ages over a great section of the world. Belief is great, life-giving. The history of a Nation becomes fruitful, soul-elevating, great, so soon as it believes. These Arabs, the man Mahomet, and that one century,—is it not as if a spark had fallen, one spark, on a world of what seemed black unnoticeable sand; but lo, the sand proves explosive powder, blazes heaven-high from Delhi to Grenada! I said, the Great Man was always as lightning out of Heaven; the rest of men waited for him like fuel, and then they too would flame.

Dear friends! Who has understood يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ? These people have understood this meaning of مُدَّثِّر: Carlyle and Denison have understood this meaning of مُدَّثِّر. And is this not a strange coincidence that what was the root meaning of مُدَّثِّر – to bring new life in the autumn of humankind's season; to re-form anew the human society and make it stronger– this same picture and simile is in their texts quoted above. It may be that they may have taken the root meanings from Arabic lexicons as they were intellectuals and thinkers. It may as well be that they may have reached this point on their own, and the similes they have presented could be their own. But what a pleasant surprise that the word "مُدَّثِّر" that Allah chose with this root meaning; these people, if they tried on their own, also arrived at the same meaning. It is a fact that, if the mind is purified from its old pernicious idols, and then one tries to understand on one's own with an open mind, then one reaches near the Quran. But we have these idols of *Taqleed* or imitation that never let us come near the Quran. Anyway, this is يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ my friends! After addressing the Prophet (PBUH) like this the Quran says: قُمْ (74:2).

Meaning of قُمْ

I had mentioned earlier that this "قُمْ" is a great thing. All old translations, not just Mahmudul Hasan's one, have the same translations of يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (74:1) – O Thou enfolded in blanket! "قُمْ" – Rise. This word "قُمْ" comes for rising up to create a

revolution. Allah is telling the Prophet (PBUH): Proclaim this message of reformation, renewal, and restoration, and rise up for this great revolution. We are told قد قامت الصلاۃ at the time of standing up for prayer. Allama Iqbal (1877-1938) has said that how could the naïve Muslims of the present period know what this revolutionary proclamation "Stand up for Salaat" (قد قامت الصلاۃ) really means? They use the word "to establish *Namaz*" in ads and on TV but nobody says that "I am going to establish *Namaz*"; they say only that "I am going to read *Namaz*" or that "I am coming after reading *Namaz*". My friends! "*Reading*" and "*establishing*" are incompatible. Allama Iqbal has explained this قِیَام so beautifully in the following quatrain:

اقرأ is to proclaim to the world this new message; that it is an open invitation;

That living voice of Islam is eternal; that it does not suffer death or destruction.

How the souls made lifeless and deceased in this age could fathom that passion?

That the meaning of اقرأ is to proclaim: "rise up and stand" and create a revolution.

This was قِیَام my friends!

Mercy for both worlds

Dear friends! The proclamation قُمْ (74:2) – Rise! How great that responsibility was? How great that mission was? What kind of program that was when the Prophet (PBUH) was told: O Thou who is to bring new life in the autumn of the humankind's garden!, O thou who is to re-form the human society anew and make it stronger! قُمْ (74:2) – Rise. The initial period of this program was extremely difficult and lonely: "O Prophet (PBUH)! The initial period of this program was backbreaking for you due to this difficult goal; due to your solitary journey; and due to the burden of this extremely overwhelming responsibility. But Allah helped you with friends who became your team of highly committed companions in this journey; and this way your heavy burden became light with their help." (94:2-3) وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ; الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ – He lifted from you the burden that had weighed so heavily on your back. Allah slowly helped you create a party of your companions and your heavy burden became light. O Prophet (PBUH)! This is due to the Grace and Blessing of Allah: اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ

قَوْلًا ثَقِيلًا (73:5) – This was, indeed, a great burden weighing heavily on your back. That is why the Prophet (PBUH) has been called mercy for both worlds: رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (21:107). This was not a local program. This was not a program limited to a particular race or nation. This was a proclamation to the entire world: "O lost people of the world! O you who are treading the wrong path! Think how your path is leading to destruction. Stop! You are blindly heading to the pit of destruction." قُمْ فَأَنْذِرْ (74:2) Rise O Prophet (PBUH)! And warn the lost people of the consequences of treading the wrong path.

Dear friends! This first phase is of warning. This is very difficult as people do not normally listen—like a blind person they do not see the ditch ahead. They have to be warned loudly about it. Since the entire human caravan remains on the wrong path, this call is unlike any other call; and it is directed at the whole world. This is just a single soul, who starts this call; and there is no one even to second him initially. So, this initial phase requires great courage, unwavering determination, extraordinary perseverance, and extreme fortitude.

This was to challenge proponents of all religions

Dear friends! It was not easy to challenge the whole world and to tell them that they were on the wrong path. Those days there were very few secular atheists. The world consisted mostly of religionists who were busy and happy with their religions, satisfied that they were on the right path. The Prophet (PBUH) did acknowledge the true message of their Prophets but then he also said to them that they were on the wrong path. This was very difficult job for the Prophet (PBUH) indeed. This is فَأَنْذِرْ (74:2): warning these lost souls who have deviated from the right path of their original messengers. This is the part of the program that warns people of the destructive consequences of their actions. Accordingly, this is just the negative aspect of the program. This is to warn them of the consequences of continuing on the same wrong path.

Positive step to come after the negative aspect

My dear friends! This Quranic warning proclaimed by the messenger is only the first step. This is the negative aspect of the program. After this comes the positive step: universal nourishment and sustenance of all humankind at both physical as well as

human level; i.e., not just that no human being should sleep hungry but also that no human being should be left without realizing his/her complete human potential. This is the proclamation of the Quran. This was the program assigned to the Prophet (PBUH) by Allah. The Quran has used the words بِرَبِّ النَّاسِ (114:1) for this. Thus it told: وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (74:3) – establish the Allah's program of universal nourishment and sustenance so that His sovereignty reigns supreme everywhere on the globe. Establish His authority of this universal system such that no other system of life is able to stand against it. Only and only then would the Allah's (universal nourishment's) sovereignty will reign supreme everywhere on earth.

Dear friends! These are only two words: رَبَّكَ فَكَبِّرْ (74:3) – Establish Allah's system of universal nourishment and sustenance so that this system overpowers all other world's systems. This is bound to happen; and this *will* happen: لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (9:33). This first step of warning itself was no less challenging. Then, you can very well imagine what this second positive step of this program entails – the program of universal nourishment? This program will be for entire humankind; it will be a universal system of nourishment for all the peoples of the world. It is obvious that those who control the means and the resources of the world; these must be taken away from them and given in the custody of this universal system in charge of providing the nourishment to all. This was the program given to the Prophet (PBUH). And then, it was not the program to just bring them to the level of others. It was رَبَّكَ فَكَبِّرْ (74:3) – to establish Allah's system of universal nourishment in such a way that sovereignty only belongs to this system; and then this system will raise the status of those under its umbrella to the highest level: اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ (3:139) – and no one else can come even close. But the condition is: you must establish رَبَّكَ فَكَبِّرْ (74:3).

It is essential that humans advance the cause of universal nourishment

Dear friends! In رَبَّكَ فَكَبِّرْ there is wordplay and wittiness here: It is exactly the same if you read these words backwards. If you see from this angle then it forms a cyclic order: You establish Allah's system of universal nourishment and it will establish your dignity and self-respect in the world. This is also clear from these words of the Quran: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (2:152) – You raise Our name (through Our universal program) in the world and We will raise your dignity and self-respect in the world. In the final

analysis it is all meant to raise humans' self-worth. This is beautifully expressed in this Persian couplet:

The story regarding the height of the beloved of mine;

Is really an excuse for increasing the lifespan of mine.

So, the ذِکرُ اللہ may seem something else but, in reality, it is meant to raise the status of human beings in the world: فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ (2:152) – You work to raise Allah's status in the world and He will raise your status in the world. Therefore: رَبَّكَ فَكَبِّرْ (74:3) – Establish Allah's system of universal sustenance so that supremacy only belongs to Him in the world. This way *you* will gain supremacy in the world too.

Dear friends! When fasting was prescribed, Allah said: وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ – the purpose of fasting is to enable you to establish the supremacy of the divine laws in the world. This is what لِتُكَبِّرُو was for: to establish this program. But do you know how it is implemented now? By adding extra six *Takbirs* (i.e., by lifting our hands up to our ears) in the *Eid* Prayer. Anyway, these things are not worth discussing as it produces bad feeling in the heart. The Quran said: رَبَّكَ فَكَبِّرْ (74:3) – Establish Allah's system of universal sustenance so that supremacy only belongs to Him in the world. Did you see? *This* was the responsibility that was assigned to المُدَّثِّرُ: First, to warn all those who, blindly, are heading to the dark pit; and second, to establish the supremacy of the divine system and its laws in the world so that no other system is able to stand against it.

A matter of the heart

Dear friends! Allah has mentioned one key thing for advancing this program, and that is: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (74:4). You had seen its traditional translation "Keep your garments clean." I feel bad criticizing the same things over and over again as to what has been done to these verses by our traditional translators. Think about it a little my friends! What would the rest of the world think about this kind of message – "keep your garments clean" – that is coming to the Prophet (PBUH) from the creator of the Universe, the Almighty Allah!? If you take the next verse: وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (74:5) – Keep away from dirty things – then, think again: Did a revelation from Allah needed to come to tell the Prophet (PBUH) about *this*? What kind of picture emerges of a

Prophet (PBUH) if even these things are to be communicated to him through revelation? Whatever others may think it is their business; but my dear friends! I am telling you from the bottom of my aching heart that I consider Prophet's dignity and self-respect far beyond this that Allah has to tell him to keep his clothes clean!

Although one of the meanings of ثِيَابٌ (root: ث - و - ب) is clothing but Arabic words have many meanings. One has to see the root meaning and all the other meanings (including metaphorical meaning) to figure out which meaning is appropriate in a particular context. When we use metaphorical meaning then the meaning takes on quite a different dimension. This is true of any language. For example, the meaning is totally different of the word "water" in, for example, "water down the law" from "water down the lawn". One has to see the context to figure out the correct meaning. Similarly, although, ثِيَابٌ literally means clothing, it also means human personality or self. Arab people used this meaning of ثِيَابٌ; I am not inventing it. Thus, وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (74:4) means purity of character and personality; and وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (74:5) means keep away from those things that corrupt one's character and personality. So, the Prophet (PBUH) is being told that in order to make this revolutionary program successful it is imperative that those involved with this mission must have impeccable and high moral character and must keep away from anything that can corrupt it. This is not a mechanical system that anyone could run it. This divine program must remain pure and those involved with this must have perfect moral character.

The meaning of تثويب

Dear friends! The root meaning of ثَابٌ (ث - و - ب) is "to gather". And this was in a context that is well known. Whenever there was an important announcement to be made, the best way to gather people was for someone to climb a hill and wave vigorously a piece of cloth attached to a stick (like a flag). People would immediately know that this was an important matter for which people were being asked to gather. This act of waving a flag to gather people was called تثويب. In fact, the extra line in Fajr Azaan – الصلوة خير من النوم – is called تثويب from its basic meaning of inviting people to gather. Thus ثِيَابٌ also means an invitation for public gathering. So, both the meanings are included in ثِيَابٌ – at individual level it means personal character, and at community level it means public invitation. But why were people being asked to

gather? O Prophet (PBUH)! This difficult program that has been entrusted to you requires impeccable personal character; so ask people to gather and tell them that they must be extremely careful of those who may try to join this program with an intention to cause harm; spread corruption; and cause confusion. So, be always on guard and keep away from such people who may advocate middle ground between falsehood and truth. Those who want to join you must have clean strong character with no selfish interests of their own. They must be 100% committed to his program and must be 100% sincere to Allah. *This* is وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (74:4).

Universal sustenance for humankind

Dear friends! This Surah started with these words: يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ; قُمْ فَأَنْذِرْ (74:1-2): O Thou who has been assigned the task of creating a new world order by streamlining and reforming the world of humankind! قُمْ فَأَنْذِرْ (74:2) – Arise! And warn the lost human beings about the destructive consequences of their wrong system of life; and then establish this revolutionary program of truth by overpowering all falsehoods. رَبَّكَ فَكَبِّرْ (74:3) – This revolutionary program will establish the supremacy and sovereignty of the system of universal sustenance of Allah over all other systems of life. For this, it is essential that: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (74:4) – Do not let your personality and character; of those who want to join you; and of your movement: to be influenced by any anti-Quranic elements; and keep this revolutionary program completely pure. My dear friends! Did you see how the chains of this revolutionary program perfectly fit into each other? After this the Quran says: وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (74:5) – Take your companions under your wings and educate and train them so that their personality and character are shaped and transformed in such a way that they are able to carry out this huge burden with ease and with unswerving determination and courage; and they do not waver even slightly under any trying circumstances.

Cleansing mental idol-temple

My dear friends! وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (74:4) does not just mean that shun perceptible pollution, for, example, that there shouldn't be any idol worship; that idols should be removed from Kaba. This is something easy to do. But for invitation to Islam; for belief in Allah: what are the corrupting things that one should keep away from? – All kinds of extra-Quranic ideologies, concepts, beliefs, and traditions; and any symbol that is

extra or anti Quranic must be kept away. Only then this will be Iman (conviction) according to Allah; only then this will be the Quranic Iman. That is what it said: مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (7:29) – adopt the pure obedience of the divine laws such that not even a slight shade of non-Quranic thought enters into it. That is why وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ (54:17) – We sent down the Quran and made it very easy to learn its lessons and precepts. The Quran is not something difficult but the very first prerequisite for its understanding, which the Quran itself has mentioned, is that only مُطَهَّرُونَ will be able to understand it; that only those will able to do يَمَسُّ (be touched and transformed by its message) who are مُطَهَّر (of pure character). Now, if you take the traditional translations then you will find: Before reading the Quran one should take bath; one should do ablution; and one should wear clean clothes. This is fine my dear friends! But these are the things that Muslims and non-Muslims can do equally. In fact, I have seen that Hindus take morning bath every day. A friend of mine used to say that look at Hindus who take bath in the morning but do not in the afternoon, evening or night; they take bath again next morning. But Muslims take bath daily, every Friday, all the time! It is fine that one should take bath, perform ablution, and wear clean clothes. But these are the things which everyone can do. But what are these مُطَهَّرُونَ who are stressed here so much by the Quran? These are the ones who have purified their character, cleaned their personalities as well as they have done the same purification of their program. Allama Iqbal has described it in his own God-given style thus:

It is not difficult to explain the meaning of Tauheed

But what to do if you have idol-temple in your mind?

This is to cleanse the mental idol-temples my friends! Our scholars emphasize so much that on the day of the victory of Mecca our Prophet (PBUH) took out 365 idols from within the walls of Kaba and threw them away. Okay! He would have done that; this is nothing difficult. But the Prophet (PBUH) had a program and a plan: The mental idol-temples that were there in the minds and hearts; these were extremely hard to get rid of. These are such idols that are almost impossible to get rid of. Again, Iqbal says at other place:

O Sheikh of Haram! Do not let Iqbal, in Ka'ba, enter?

He has idols hidden in his sleeve, one within the other

These are the idols *within* the heart and mind that need to be removed, my dear friends! When this mental Kaba is cleaned only then it will become the house of Allah. Allah is very honorable. He cannot enter a house if someone else is residing there. He says: First get him out and spray disinfectant to get rid of any remnants. The mental cleanliness that happens this way; the purification of the heart that occurs after all non-Quranic ideologies have been removed – *this* is the meaning of مُطَہَّر my dear friends!

Salvation must be achieved from all types of idols

Iqbal goes on to say that my thoughts also sculpt new idols all the time. People make idols by sculpting wood and stone that are visible. But nonetheless both are sculpting idols. One is easy to get rid of but the other one is extremely difficult to purge:

My thought keeps sculpting god after god – all the time;

Free one from the net and the next one is trapped online

These are ideological, intellectual and emotional (faith-based) idol gods which must be removed from the warehouse of idol-temples of hearts and minds. This is the process of تطہیر for which it is said: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (74:4). Those who want to join this group after the call of invitation is made; they must not have even any inkling of non-Quranic concept in their minds and hearts. For this, the practical process was: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ (2:129) – He (PBUH) will, by teaching the Book of knowledge and wisdom, purify them; he will nourish and develop them; and will not leave even a trace of the past idols into their hearts.

Before approaching إِلاَّ اللّٰہُ one must go through the phase of لاَ إِلٰہَ

Dear friends! Thinking is forbidden in religion. Therefore, we do not ponder about what لاَ إِلٰہَ is? Why is it so essential before إِلاَّ اللّٰہُ? إِلاَّ اللّٰہُ is the true Iman in Allah. This is ok. But before reaching إِلاَّ اللّٰہُ it is necessary to go through لاَ إِلٰہَ. There is no Iman alone on إِلاَّ اللّٰہُ. The meaning of لاَ إِلٰہَ is that one has to remove all kinds of إِلٰہَ from the mind first; only then إِلاَّ اللّٰہُ enters it. لاَ إِلٰہَ: What great these two words of the Quran are my dear friends?! لاَ إِلٰہَ: There is no authority; there is no power; there is no one worthy of commanding surrender; there is no one worthy whose rule could be

accepted. The Quran demands denial of all kinds of authority. It keeps saying لاَ (No) again and again to all kinds of authority including temporal, religious, and spiritual. It kept wiping the slate at every stage. When the slate became completely clean then only it said: إِلاَّ اللهُ – Yes, there is one authority (إِلٰه) and He is the True one, and He is Allah. This is what true Iman is? My dear friends! *This* is then لاَ إِلٰهَ and that is why *this* وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (74:4) is required.

Now, the next phase: وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (74:5). You had seen the translation earlier: Keep away from pollution and keep your clothes clean. Dear friends! The root of الرُّجْزَ is: ر - ج - ز and keep in mind that for this program a revolutionary group is being formed; and caravans hurtling along wrong paths are told to stop and are asked to see the warning signs. Those who stop and come to the group are passed through the first phase of purification; and are cleaned of all their other gods and of all their non-Quranic ideologies and concepts from the idol-temples of their hearts and minds. It is made sure that the Quranic program also remains completely free of contamination from any non-Quranic concepts and ideologies from any source. This caution is extremely essential that even though the individuals have been purified from all non-Quranic concepts, the leader of this group must make sure the program remains free of any non-Quranic contamination as well.

The Quranic meaning of the process of تزمیل and ز ج ر

Dear friends! The responsibilities of the leader of this group are quite far reaching and deep. That is why the process of تزمیل is so difficult and time consuming in carefully choosing individuals to form a synergistic group of people for this program. Then comes the next phase: I mentioned that وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (74:5) is a program that demands unswerving determination. This requires being able to firmly stand up for this revolutionary program and to remain steadfast. There is a disease that camels suffer from; it also occurs in bulls. With this disease the animal is not able to stand up. Its legs become weak. When it tries to stand up it trembles and falls down. This is called ز ج ر. So, the Prophet (PBUH) is being told here to make sure that people who wish to join his group do not have this characteristic. This group needs steadfastness. It should not be the case that anyone in this group suffers from ز ج ر.

People in this group should be such that when they say: اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا (41:30) – that our Sustainer is Allah – then they must be firm and steadfast after that. They must not waver even slightly under pressure of challenges. They must stand up and continue to remain standing up firmly, and carry this huge burden forward and must not falter under any circumstances. As an example, consider a weightlifter how he performs a clean and jerk: At first, he must have enough strength in his legs to stand up quickly with the weight; then he must remain standing up firmly while carrying the weight without any trembling; and then he must lift the weight up over his head and must make sure his both arms are locked. The heavy burden placed on this group and on this program requires this type of standing up – and what a miracle that the Quran sums up all this in just one word "قُمۡ" (74:2)! This group should consist of such individuals. That is why the Quran says: وَالرُّجۡزَ فَاهۡجُرۡ (74:5) – Take your companions under your wings and educate and train them so that their personality and character are shaped and transformed in such a way that they are able to carry out this huge burden with ease and with unswerving determination and courage; and do not waver or falter even slightly under any trying circumstances in establishing the system of universal sustenance.

A special prerequisite for bringing this program to fruition

Dear friends! There is a fundamental and special requirement for this program that comes in the next verse in just two words. But before we come to that let me summarize what we have covered so far in this lecture. You will find in the traditional translations the same thing: O who is enwrapped in blanket! Rise and warn; and glorify your Lord; keep your garment free of stain. I have presented the meaning of these verses according to the Arabic lexicon and Arabic phraseology. I have also presented the conclusions that the Western non-Muslim thinkers have arrived at after objectively studying the successful revolution created by the Prophet (PBUH). You know that my lifetime's mission is to study the Quran with an open and unbiased mind through the meaning of its words that the Arabs of the time of the revelation used to take. I have compiled my Lughatul Quran on this basis using standard Arabic lexicons. I have given all the root meanings and its derivations in the context that Arabs of the time of the Prophet (PBUH) used to take. I also compiled the exposition

of the Quran based on my Lughat. I do not feel like going further and not present you the meaning of these verses that we covered today from my exposition of the Quran. I always consider that what I have been able to do is from the Grace of Allah. I do not say much about myself. Now, please allow me to present the meaning of the verses from my exposition that we have been able to cover today. Here it is.

The meaning given in the Exposition of the Quran

"O! you who have been entrusted with the revolutionary responsibility of establishing a new world order through a committed team of synergistic companions; organizing and revitalizing and invigorating the slumbering lives of humankind so that it may overcome every unjust and false system. Arise! And warn the lifeless people of the outcome of their erroneous and unjust ways of life. And establish the order of universal system of nourishment so that it, in turn, establishes the sovereignty and supremacy of Allah. (You too will thus attain supremacy in the world – 2:152). To achieve this, it is very important that you purify your conduct; strengthen your character; and fortify your personality; and that you keep this mission free from every kind of undesirable and corrupt element. (This system cannot be run mechanically by anyone. The mission should be clean and transparent; and the vision and character of all those who participate in it must be pure.) Take such companions with you (73:1) and give them the training that will inculcate strength in their personalities, with which they can undertake this great responsibility with ease. They should not tremble when they rise up burdened with this responsibility."

My dear friends! This is what I have given the meaning of the verses 74:1-5 in my book *Exposition of the Quran*. After creating this kind of group the Prophet (PBUH) is being advised to tell all members of his party that there is a fundamental principle of this system and that is: وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (74:6). This we will take up in the next lecture. Time is over for today's lecture.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)

☆.....☆.....☆